تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

اشاعت کا ۴۲واں سال

قانون مکافات عمل

"قانون مکافات عمل قدرت کا ایک ایسا ازلی اور ابدی قانون ہے جس میں کبھی کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے اور جس طرح زندگی اور موت کے اسباب وعلل تمام ملکوں اور قوموں کے لئے یکساں ہیں ٹھیک اسی طرح مکافات عمل کا قانون بھی دنیا کی سب قوموں کے لئے ہے جس کی زد سے نہ ایشیا کا مرد غریب وبیمار بچ سکتا ہے اور نہ یورپ کا مرد توانا وتنومند۔ البتہ عمل کی پاداش اس کے اجر وثواب کا ظہور مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہوتا ہے۔ پھر کبھی جلد اظہار ہوتا ہے اور کبھی بدیر۔ لیکن جب ظاہر ہوتا ہے تو اس زور وشور اور بے پناہ قوت کے ساتھ کہ دنیا کی تمام طاقتیں بھی اگر اس کو روکنے کے لئے اکٹھی ہو جائیں اور انسانی عقل وتدبیر کے تمام وسائل بھی اس پاداش سے بچ نکلنے کے لئے جمع کر لئے جائیں تب بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔"

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی

۲۵/جولائی ۲۰۰۵ء

Rs 7/-

Postal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

july, 2005

Vol. No. 4 - Issue No. 17

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

R.N.I. No-UP URD/2001/6071

(0522) 2740151 ندوۃ مہمان خانہ

2741272 دفتر اہتمام

2741221 رابطہ ادب اسلامی (فیکس)

2741834 مجلس صحافت ونشریات

Mobile : 09415786548 Shop : 0522-2274606 Phone : 0522-2616731 (R)

Mohd. Akram Jewellers

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثنا جویلرس

Sana Jewellers

۳۰۱/۱۲ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالروف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالا کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

Abdullah Malik
Managing Director

Ph : (0522) 2266824
2252789
Off 2240999

S. ABDUL MALIK & SONS

ایس. عبدالملک اینڈ سنس

Specialist in :
Indian Attars & Synthetics Essential Oils

253/28, Nadan Mahal Road, Nakhas, Lucknow. U.P. India
Website : malikattars.com
E-mail : shamamahouse@rediffmail.com

Editor : *Shamsul Haq Nadwi* Office Ph : 2741235 (Ext) 18 Printed & Published by *Athar Husain* on behalf of *Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat* at *Parekh Offset Printing Press*, Tagore Marg, Lko. Ph : 0522-3943484

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

مسلمانوں کی تاریخ پر منضبط طریقہ سے کام کرنے کی ضرورت

مجھے بہت پہلے سے اس بات کا شدت سے احساس رہا ہے کہ ہماری تاریخ ہماری تہذیبی روایات سے ہم آہنگ نہیں۔ ایک طرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل جول اور متصوفین و بزرگان دین سے عوام کے گہرے ربط اور خدمت خلق کی شاندار مثالیں ملتی ہیں۔ دوسری طرف مسلمان بادشاہوں کو الا ماشاء اللہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے کہ چنگیز و ہلاکو ہوں۔ اورنگ زیب کو بدنام کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اورنگ زیب نے اپنی مملکت کی حفاظت اور دنیاوی اغراض سے ضرورت ہوئی تو مسجدوں پر بھی گولہ باری کی۔ مشکل یہ ہے کہ اس دور کے مؤرخ ایرانی تھے اور ہر معاملہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے تھے۔ ہر جنگ میں انہیں یہی نظر آتا تھا کہ لاکھوں کفار پکڑے گئے یا مارے گئے۔ یہ بات کوئی نہیں نوٹ کرتا تھا کہ فلاں بادشاہ نے مندروں، خانقاہوں اور مٹھوں کو کتنی جاگیر دی اور کس کس طرح کی رعایتیں مرحمت کیں۔ میں نے اس غرض سے بہت سے واقعات جمع کیے اور بہت کچھ لکھا۔ ابھی اس پر منضبط طریقہ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر سید محمود مرحوم

۲۵ر جولائی ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کا ۴۲واں سال

جلد نمبر۔۴۲ | ۲۵ر جولائی ۲۰۰۵ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر۔۱۷

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین

معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
☆ مولانا نذر الحفیظ ندوی ☆ مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
☆ مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

زر تعاون
سالانہ۔/۱۵۰ ——— فی شمارہ۔/۷
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک۔/۳۵ ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No.93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007

فون (دفتر) 2740151 (0522) مہمان خانہ 2787250(Ext) 18

مضمون نگار کی رائے سے
ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مضامین و مندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط و کتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

H.I.Computer Institute, Lko 9335214913

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس شمارے میں

رئیس التحریر کی میز سے	مذہبی جنون کا جواب مذہبی جنون نہیں	امین شجاع	
اداریہ	مسلمانوں کا اتحاد	(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
درس قرآن	رات اور دن کا نظام	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۵
قند مکرر	بہار کی بہار	حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ	۷
لمحۂ فکریہ	ناطقہ سر بگریباں ہے	جناب مولانا سید محمد حمزہ حسنی	۹
دعوت فکر و عمل	وہ معزز تھے زمانے میں	جناب مولانا عبد الرشید ندوی	۱۰
وفیات	بوئے لطف اور بیانا نہا گرفت	پروفیسر نفیس احمد صاحب	۱۱
حالات حاضرہ	دہشت گردی کو فروغ دینے کا ذمہ دار کون؟	جناب عبد الحنان ندوی	۱۵
فقہ و فتاویٰ	سوال و جواب	مفتی محمد طارق ندوی	۱۸
بصائر و عبر	الٰہی یہ فصل بہار پیدا کر	ڈاکٹر نعیم صدیقی	۱۹
تعارف و تبصرہ	جادہ فکر و عمل	امین شجاع	۲۱
رفتار زمانہ	اخبار و افکار	محمد اعظم ندوی	۲۲
روداد	حضرت ناظم صاحب کا سفر بمبئی	ماخوذ الرائد	۲۳
فکر و نظر	اپنی زندگی میں تبدیلی لانا ہوگی	ڈاکٹر اجتباء ندوی	۲۸
ایک رپورٹ	ندوہ میں سیمینار	ماخوذ	۲۹
رفتار کار	امت کا فریضہ	ادارہ	۳۰
روداد چمن	ندوہ کے لیل و نہار	ادارہ	۳۱
آخری صفحہ	خوف و ذلت کی نفسیات اور ہمارا لائحہ عمل	امین شجاع	۳۲

آپ کے پتہ کے کنارے خریداری نمبر کے نیچے لال یا کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ منیجر تعمیر حیات

مذہبی جنون کا جواب مذہبی جنون نہیں

مذہب کی صحیح اور سچی تعلیمات انسان کو مہذب بناتی ہیں۔ اپنے مذہب کے احترام کے ساتھ دوسروں کے مذاہب کے سلسلہ میں رواداری اوران کی مذہبی قدروں کا اکرام سکھاتی ہیں۔ اپنے مذہب سے محبت کے معنیٰ دوسروں کے مذہب سے نفرت کرنے کے کبھی نہیں ہو سکتے۔ دلآزاری اور مردم بیزاری فطرت کے عین خلاف ہے اور اگر کسی کی فطرت مسخ نہ ہوئی ہو تو وہ ان جرائم کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مذہب سے عوام کے گہرے لگاؤ کا استحصال ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اس لحاظ سے مذہب مظلوم دکھائی پڑتا ہے کہ اس کی محبوبیت کی وجہ سے شاطر دماغ اسے آلہ کار بناتے رہے۔ خود ہمارے مادرِ وطن کی مثال لیجئے کہ وقتاً فوقتاً مذہب سے جڑے یا جوڑ دیئے گئے جذباتی مسائل کو لے کر آسانی کے ساتھ چنگاری شعلوں میں تبدیل کردی گئی اور آناً فاناً زندگی کا ثبوت دیتی بستیوں پر موت کے مہیب سائے منڈلانے لگے۔ یہ مذہبی جنون جب راسخ ہو جاتا ہے تو مزاج اس کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور عینک و زاویہ نگاہ ہی بدل جاتے ہیں۔ نتیجہ میں ایسے جنونی انسان کو اپنے حریف کے گلاب بھی ببول کے کانٹے دکھائی دینے لگتے ہیں اور اس کا وجود ہی کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔ وہ اپنے حریف کی شناخت کو گم کرنے پر تل جاتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا حریف ذہنی و تمدنی اور تعلیمی و اقتصادی ہر شعبہ حیات میں سمجھوتہ کرلے اور اس کے رنگ میں رنگ جائے اس کی نسلوں کا رشتہ ان کے ماضی سے منقطع کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور اگر حریف قوم کے بعض افراد بیداری شعور کا احساس دلاتے ہیں تو ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں دراصل دنیا ایک اسٹیج کی مانند ہے۔ اور اس پر ڈرامے رچے جاتے رہے ہیں سب کا اپنا رول اور کردار ہوتا ہے۔ کسی کا کردار سخت گیری کا ہوتا ہے تو کسی کا شیریں بیانی اور نرم لب ولہجہ کا لیکن مقصد دونوں کا ایک ہوتا ہے۔

موجودہ استعمار کو صرف توسیع پسندانہ عزائم قرار دینا نادانی کی بات ہوگی۔ یورپ کے استعمار کی مثال ہمارے سامنے ہے جب اس نے محسوس کیا کہ محض طاقت کے بل بوتے پر اس امت کو توڑا نہیں جاسکتا تو اس نے اپنے اسکالروں اور مستشرقین کی وہ جماعت تیار کردی جو نئی نسل میں اسلام سے متعلق تشکیک پیدا کردے اور اسے ذہنی اور اعتقادی ارتداد کی راہ پر ڈال دے۔ نیز اس کے تہذیبی و تمدنی اور ثقافتی ورثے کو اس کی نگاہوں میں ہیچ قرار دے کر اس کے تئیں احساس کمتری پیدا کردے۔ یہاں تک کہ وہ اغیار کو اپنا مشیر اور محافظ سمجھنے لگیں۔ لیکن آج کل جب کہ مستشرقین کی حقیقت کو دنیا جان چکی ہے، اب اسکی کوششیں ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں ہی کی صف سے بڑی تعداد میں کالی بھیڑیں اور زرخرید غلام فراہم کیے جائیں۔ جو ان کی مقصد برآوری میں مفید و کارگر ثابت ہوں۔

حاصل یہ کہ محض دھار دار خنجر، برہنہ شمشیر، بندوق کی نالیوں سے دغنے والی گولیاں، آگ کے گولے اور بم و میزائل ہی مذہبی جنون کے ہتھیار نہیں ہیں بلکہ خاموش حکمت عملی کے تحت تعلیم، ذرائع ابلاغ، مختلف شعبہ ہائے حیات میں جاری مخفی و منصوبہ بند سرگرمیاں اور پالیسیاں نیز ہماری اپنی صفوں کی کالی بھیڑیں بھی مذہبی جنون کی دوررس نتائج کی حامل پالیسی اور ذہنیت کے آلہ کار ہیں۔

غرض کہ زمانہ قیامت کی چال چل چکا ہے، دنیا سمٹ گئی ہے اور اب اس شاطرانہ مذہبی جنون یا (دانشمندانہ مذہبی جنون کہئے) یہ تہیہ کر چکا ہے کہ جہاں بھی جس طرح سے بھی بن پڑے، چاہے طاقت کے بل پر ہو یا عیاری و مکاری کے سہارے، اسلام اور اس کے نام لیوا مسلمان نشانہ بنائے جائیں۔ جس طرح کانٹے کا جواب کانٹے نہیں اور نفرت کا جواب نفرت نہیں اسی طرح مذہبی جنون کا جواب مذہبی جنون نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہوشمندی اور عقل وفراست سے ہی اس کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔ الحکمة ضالة المؤمن۔ حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ یہی وقت ہے کہ مسلمان اپنی اس متاع کو بھرپور طور پر استعمال میں لائیں جس کی بدولت ہی وہ عظمت رفتہ کو پا سکتے ہیں اور رہی بات متاع حکمت کو برتنے کی، تو یہ کام قیادت کا ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

مسلمانوں کا اتحاد بھائی بھائی جیسے تعلق کا ہے

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

انسانوں کی سوسائٹی ایک طرح سے انسانوں کے ہی ہاتھوں سے تعمیر کردہ کسی عمارت کی طرح ہوتی ہے کہ جو اپنے مختلف پہلوؤں اوران کی مختلف خصوصیات کے فرق کے ساتھ اپنے میں ایک ربط اور وحدت کی کیفیت رکھتی ہے اس کا ہر جزء اپنی خصوصیات کو پورا کرتا ہے اور بنیادی طور پر عمارت کا ایک حصہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ عمارت کوئی سی ہی کیوں نہ ہو وہ نہ تو خود بخود بنتی ہے اور نہ ہی اس کو اپنے لئے کچھ کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن چونکہ انسان نے اس کو بنایا ہوتا ہے لہٰذا وہ اس میں فرق کرسکتا ہے انسان کی سوسائٹی کے برعکس عمارت کی تعمیر انسانوں کے اپنے اختیار و پسند کے مطابق مہیا ہے اور اس کی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے خود انسان کو اس میں تصرف کا موقع حاصل رہتا ہے چنانچہ یہ بالکل ممکن ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی سوسائٹی کو انسان خود اپنے ہاتھوں بنائے یا اس کے برعکس کوئی بہت اچھی سوسائٹی تشکیل دے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر معمولی صلاحیتیں دی ہیں اور اپنے کام کو بنانے اور بگاڑنے کا اختیار بھی بخشا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اچھے اور برے دونوں کاموں کے درمیان فرق کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت بھی دی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا انسان اپنے اس اختیار سے اچھا یا برا کون سا رخ اختیار کرتا ہے۔ انسانی تاریخ پر نظر ڈالئے تو انسان کی زندگی میں یہی کہانی نظر آئے گی کہ انسان نے اچھی اچھی سوسائٹیاں بھی بنائی ہیں اور سوسائٹی کو بہت بگاڑا اور برباد بھی کیا ہے چنانچہ کسی چیز کو اچھا بنانے میں جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ بھی انسان نے حاصل کیے ہیں اور بگاڑنے میں جو نقصانات ہوتے ہیں ان نقصانات سے بھی انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس کو دیکھا جائے تو اس کی ایک لمبی داستان ملے گی۔ ملت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت قرار دیا ہے یعنی اس کی سوسائٹی معیاری سوسائٹی اور اسکی تشکیل کو بہترین تشکیل قرار دیا ہے۔ اور اس طرح پوری ملت کو ایک سوسائٹی کی شکل میں آپس میں جوڑ کر ایک وحدت کی شکل اختیار کرلینے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا ”انما المؤمنون اخوة“ بیشک سب مومن بھائی ہیں اور فرمایا ”ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون“ (سورہ مومنون: ۵۲) اور یہ تمہاری امت ہے جو ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا“ کہ ایمان والا ایمان والوں کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ جو ایک دوسرے کو مضبوطی دیتے ہیں انسانی سوسائٹی کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کے حصے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو مضبوط کرنے والے ہونا چاہئیں۔ اور اسی کا نام آپس کی اخوت ہے اور اس کے لئے قران مجید میں فرمایا گیا ”واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا“ کہ اللہ کی رسی کو تم سب اکٹھا ہو کر مضبوطی سے پکڑ لو اور ادھر ادھر متفرق نہ ہو۔ اور اسی میں امت کی طاقت کا راز ہے لیکن یہ اخوت کیسے قائم ہو سکتی ہے یہ کوئی محض آسان اور سستا عمل نہیں ہے جس طرح تسبیح کے سب دانے ایک دھاگے میں پروئے ہوتے ہیں اسی طرح خدا کی ایک رسی میں سب کو جوڑنا ہوتا ہے۔ اس میں بعض وقت اپنی انفرادی پسند کو قربان کرنا ہوتا ہے۔ اور رواداری اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رعایت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن جب اس کے برخلاف عمل ہوتا ہے اور امت کے

افراد کا اور اس کے مختلف اجزاء کا یہ معاملہ ہو کہ وہ محض اپنی انفرادی پسند ہی کے دائرے میں رہنا ضروری سمجھنے لگیں تو ایک دوسرے سے دوری اور علحدگی کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ملت کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے اور ملت کمزور ہو جاتی ہے۔ اللہ کی رسی کو ملت کے سب افراد مل کر پکڑ لینے کی صفت پیدا نہیں کرتے تو آپس میں ایک دوسرے سے علحدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ملت دوسروں کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے لہذا ملت کے لئے یہ ضروری بات ہوتی ہے کہ وہ آپس میں رواداری اور تعاون کی فضاء بنائے اور وحدت پیدا کرے۔ لیکن اس کے لئے ملت کے سب اجزاء اور افراد کو اپنے میں برداشت اور رواداری کی صفت کو پیدا کرنا ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کی رائے کو اپنی رائے کی طرح ہی اہمیت دے اور دونوں رایوں کے درمیان توافق کی راہ تلاش کرے۔ اور اللہ کی رسی سے، جو قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مشتمل ہے، اور جس کی وضاحت اور تشریح امت کے معتبر اسلاف نے کی ہے، اپنے کو جوڑے رکھے۔ اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ جب معلوم ہو تو اس کے سامنے ہم جھک جائیں خواہ وہ کسی کے شخصی مفاد کے خلاف ہو، ایک دوسرے کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں اور اس سلسلے میں اپنے قول وعمل سے لحاظ وخیال رکھیں تا کہ کسی کے طرز عمل کی وجہ سے پوری ملت کے وقار اور اس کی وحدت کو نقصان نہ پہونچے ادھر دو تین صدی قبل یورپ کو دنیا میں جو غلبہ حاصل ہوا اور اس غلبہ سے یورپ نے کمزور ممالک کو، جن میں اسلامی ممالک بھی تھے، اپنے مرضی کے مطابق بدلنے اور ان کی طاقت کو آپسی تفرقہ پیدا کرنے میں گزارے اس کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ کو بہت زیادہ نقصان پہونچا اور ملت اسلامیہ کی جو وحدت جس حد تک بھی تھی، وہ بھی صحیح طور پر باقی نہیں رہی. پھر اس پر مزید افسوس کی بات یہ ہوئی کہ ملت کے افراد کے ذہنوں میں آپس کی وحدت واجتماعیت کی ضرورت کا احساس بہت کمزور پڑ گیا اس کی وجہ سے بعض وقت امت کو ان مسائل میں بھی، جو بہت بنیادی مسائل ہیں، آپسی رواداری اور تعاون اور وحدت کا خیال نہیں رہا اس وقت دنیا کے جو حالات ہیں کہ دنیا کی سب طاقتیں اسلام اور ملت ابلامیہ کو توڑنے اور کمزور کرنے پر متحد ہو کر لگ گئی ہیں، ہمارے قائدین کو کہ جن کے ہاتھ میں امت کی زمام اتحاد ہے، امت کو ایک متحدہ امت کے طور پر جوڑنے کی ضرورت ہے ہمارا آپس کا اختلاف اگر جائز حدود میں ہے تو وہ منع نہیں ہے لیکن گھر کا اختلاف گھر کے اندر رہنا چاہئے گھر کے باہر نہیں جانا چاہئے خاص طور پر اس ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور جہاں امت کے افراد کو اپنے اختیار سے متحد ہو کر مقاصد کے حصول کے لئے کام کرنا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے آپس کے جو جائز اختلاف ہیں، وہ ہمارے حریفوں اور بدخواہوں کے سامنے نہ آئیں وہ ملی اخوت کے تقاضے کے مطابق آپس ہی میں حل کر لیے جایا کریں یا یہ کہ گھر کی بات گھر کے اندر ہی رہے۔ اس بات کا خیال ہم سب کو پوری طرح رکھنا ہے اور جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو ہمارے لئے یہ مسرت کی بات ہے کہ موجودہ وقت میں ہندوستانی مسلمان اس بات کی اہمیت کو ضروری حد تک سمجھنے لگے ہیں اور ان میں ایک حد تک آپسی رواداری کا احساس جاگنے لگا ہے اور اس میں انشاء اللہ اضافے کی امید ہے اور یہ بات انشاء اللہ ملت کے مشترک اور بنیادی مقاصد کے حصول کی کوشش میں اور ملت کی بنیادی خصوصیات کے تحفظ میں معاون ثابت ہوگی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ملی معاملات کے سلسلے میں ماضی میں خاص طور پر آزادی کے بعد جو مسائل پیش آئے اور اس میں ملت کے رہنما افراد کے طرز عمل کے نتیجہ میں جو نتائج اور تجربات سامنے آئے، ان سے ہم کو اپنے آئندہ کے پیش آنے والے معاملات میں اہم سبق ملتا ہے. اس سبق سے ہم کو فائدہ اٹھانا ہے. اگر ہم نے یہ فائدہ اٹھایا تو انشاء اللہ ملت کا تحفظ بھی ہوگا اور ملت کے مشترکہ اور بنیادی مقاصد کے حصول میں بڑی مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم احسان ہے کہ

اس نے رات اور دن کا نظام قائم فرمایا

از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

اسی نے تمہارے لئے زمین وآسمان کو بنایا، اور بہترین صورتگری کی اسی نے تمہیں کھانے پینے کی پاکیزہ اور نفیس چیزیں عطا فرمائیں وہی ''الحی'' ہے عبادت، اور دعا اور حمد صرف اسی کا حق ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ والنہار مبصرا ان اللہ لذوا فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون .ذٰلکم اللہ ربکم خالق کل شیء، لاالہ الا ھو، فانی تؤفکون۔ کذٰلک یؤفک الذین کانوا بِاٰیت اللہ یجحدون اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء وصوّرکم فاحسن وصورکم ورزقکم من الطیبت ذلکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العلمین۔ ھو الحی لاالہ الاھو فادعوہ مخلصین لہ الدین۔ الحمدللہ رب العالمین۔

(سورۃ المومن آیت ۶۱ تا ۶۵)

(ترجمہ) اللہ ہی ہے جس نے بنائی تمہارے واسطے رات (اندھیری) تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو بنایا روشن (کہ تم اس میں اپنے کام کاج کر سکو) واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل واحسان فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہوتے۔ وہی اللہ ہے تمہارا رب ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر تم لوگ کس طرح بہکے جاتے ہو، اسی طرح بھٹکتے رہے ہیں وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے ہیں۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مستقر (ٹھکانا) اور آسمان کو (گنبد کی طرح کی) ایک عمارت بنایا۔ اور تمہاری صورت گری کی تو بہت ہی اچھی تمہاری صورتیں بنائیں۔ اور تم کو پاکیزہ اور لذیذ ونفیس چیزیں رزق کے طور پر عطا فرمائیں، وہی اللہ ہے تمہارا رب، پس بڑا ہی برکت والا ہے وہ اللہ رب العلمین، صرف وہی ہے زندہ (ازلی ابدی) اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، پس اس کو پکارو، (اسی سے دعا والتجا کرو) صرف اسی کی بندگی کرتے ہوئے، ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔

تفسیر و تشریح

یہ سورۂ مومن کے چھٹے رکوع کی آیتیں ہیں ان میں بندوں پر کئے جانے والے اللہ تعالیٰ کے بعض ہمہ گیر انعامات واحسانات کا ذکر فرما کے اس کی شکرگزاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ساتھ ہی بتلایا گیا ہے کہ عبادت اور بندگی صرف اس اللہ کا حق ہے جس کے بندوں پر یہ انعامات اور احسانات ہیں اور وہی اس کا مستحق ہے کہ بندے اپنی حاجتوں میں اس کو پکاریں اور اس سے دعا والتجا کریں۔ الغرض ان آیتوں کا حاصل بھی توحید کی دعوت وتعلیم ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے ''اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوافیہ والنہار مبصرا ان اللہ لذوفضل علی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون''

مطلب یہ ہے کہ بندوں پر یہ اللہ ہی کا فضل واحسان ہے کہ اس نے رات اور دن کا یہ نظام قائم کیا ہے، رات کو اس نے ایسا تاریک اور خنک بنایا جو انسانوں بلکہ دوسرے حیوانات کے آرام کے لئے بھی مناسب وموزوں ہے، اس کی خنکی اور تاریکی میں فطری طور پر ہر ایک آرام کرنا چاہتا ہے اور اس کو آرام ملتا ہے۔ اور دن کو آفتاب کے ذریعہ روشن بنایا تا کہ اس کی روشن فضا میں سب اپنی معاش وغیرہ کے کام کاج کر سکیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر رات نہ ہوتی، ہمیشہ دن کا اجالا رہتا تو رات میں جو آرام ہم کو اور ساری مخلوقات کو ملتا ہے وہ ہمیں حاصل نہ ہوتا، اور اس آرام وچین کی نعمت سے ہم محروم رہتے، اسی طرح اگر دن کا اجالا نہ ہوتا، ہمیشہ رات کی تاریکی رہتی تو دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ہرگز نہ ہو سکتا۔ الغرض رات اور دن کا یہ نظام اللہ کی بڑی نعمت اور اس کا بڑا فضل واحسان ہے۔ لیکن بلاشبہ انسانوں کی غالب اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی اس کے اس فضل واحسان کا خیال بھی نہیں کرتے، اس کا شکر ادا کرنا تو بعد کی بات ہے۔ (ولکن اکثر الناس لایشکرون)

جو پروردگار ہے وہی معبود ہے

اس کے آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس اللہ نے تم پر یہ فضل وکرم فرمایا ہے وہی تمہارا رب ہے، ہر چیز کا وہی خالق ہے وہی اور صرف وہی معبود برحق ہے، عبادت اور بندگی صرف اسی کا حق ہے

(ذلکم الله ربکم خالق کل شیء، لا اله الا هو)

آگے مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا گیا (فانی تؤفکون) کہ تمہاری کیسی عقل ماری گئی ہے کہ تم اس اللہ کو چھوڑ کر (جس کے یہ انعامات واحسانات ہیں) دوسروں کے آگے اور غیروں کے آستانوں پر جھک رہے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ جولوگ ہماری آیتوں کے اور ہماری نازل کی ہوئی ہدایت کے منکر ہوتے ہیں وہ ان سے روشنی حاصل کرنا نہیں چاہتے، ان کی عقلیں ایسے ہی ماری جاتی ہیں، اور وہ اسی طرح گمراہ ہوتے ہیں (کذلك یؤفك الذین کانوا بایٰت الله یجحدون)۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے:

"الله الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء وصوّرکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبت ذلکم الله ربکم فتبارك الله ربّ العٰلمین"۔

اوپر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اس نے دن رات کا نظام قائم فرمایا، رات کو ایسا بنایا کہ اس میں ہم آرام اور چین حاصل کریں اور دن کو ایسا بنایا کہ ہم اس میں اپنے معاش وغیرہ کے لئے جدوجہد کر سکیں۔

اب اس آیت میں اسی طرح کے چار اور اہم انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن سے بندے ہمیشہ اور ہر وقت مستفید ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ زمین کو تمہارا مستقر اور مسکن بنایا (بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا انعام واحسان ہے یہ زمین ساری نعمتوں کے، کبھی نہ ختم ہونے والے خزانے اپنے اندر لئے ہوئے ہے) دوسرا انعام یہ فرمایا کہ آسمان کو تمہارے لئے بطور چھت عمارت بنادیا (چونکہ آسمان ہمارے ادراک کی دسترس سے باہر ہے اس لئے اس کی پوری حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اتنا دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ سورج چاند ستارے جو آسمانی فضا میں ہیں اور زمینی نہیں بلکہ آسمانی چیزیں ہیں، یہ سب ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں) بہر حال آسمان بھی زمین کی طرح ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ تیسرا انعام یہ ذکر فرمایا کہ اسی اللہ نے تمہاری صورت گری کی اور بہت اچھی صورت گری کی (ظاہر ہے کہ اپنی شکل وصورت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے انسان اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور کامل وممتاز ہے)۔ اسی کو دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" چوتھا انعام یہاں یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو پاکیزہ اور لذیذ ونفیس غذائیں عطا فرمائیں۔

یہ سب انعامات واحسانات وہ ہیں جن سے ہم انسان ہر وقت اور ہر لمحہ فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اس کو کبھی یاد نہیں کرتے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات ہیں ظاہر ہے کہ یہ بڑی ناشکری اور ناسپاسی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیتوں کا سبق یہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ ہمارے ذہن میں اور ہمارے پیش نظر رہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن سے ہم مستفید ہوتے ہیں اور جب یہ بات ہوگی تو بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب اور معبود سمجھے گا اور شرک کی گندگی سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات واحسانات کا ذکر فرما کر آگے فرمایا گیا ہے "ذلکم الله ربکم فتبارك الله رب العٰلمین" مطلب یہ ہے کہ ان احسانات وانعامات کا دھیان کر کے تمہیں اس نتیجہ پر پہنچ جانا چاہئے اور تمہارے دل کی یہ آواز ہونی چاہئے کہ یہی اللہ جس کے یہ انعامات واحسانات ہیں ہمارا رب ہے۔ بڑی برکتوں والا وہ اللہ جو رب العٰلمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان انعامات واحسانات کا استحضار، ان کا دھیان اور ان میں غور وفکر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اور دل میں اس کی محبت اور عبادت کا داعیہ پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے ہمیں یہ عقیدہ تو نصیب ہے کہ دن رات کا نظام اللہ تعالیٰ ہی نے قائم فرمایا ہے اور زمین کو اسی نے ہمارا مستقر اور مسکن بنایا ہے اور آسمان بھی اسی نے ہمارے لئے بنایا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے بہتر ہماری صورت گری اسی نے فرمائی ہے۔ اور کھانے پینے کی جو پاکیزہ اور لذیذ ونفیس چیزیں ہم کو نصیب ہیں سب اس کے کرم سے نصیب ہیں لیکن ہم کو اس کا کما حقہ استحضار اور دھیان نصیب نہیں۔ ان انعامات واحسانات کا جتنا استحضار ودھیان اور ان میں جتنا غور وفکر کیا جائے گا اتنی ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوگی اور دل میں اس کی محبت اور اس کی عبادت کا شوق پیدا ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کے ذکر کا خاص مقصد یہی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "هو الحیّ لا اله الا هو فادعوهُ مخلِصین له الدّین، الحمدلله رب العٰلمین"۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ اور جو کوئی ہے کسی کو دوامی حیات وبقا نہیں سب فانی ہیں۔ سب کی حیات مستعار مجازی، اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی ہے جس کی حیات حقیقی اور ذاتی ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔ صرف وہی معبود برحق ہے۔ اسی کی عبادت کرو اور اپنی حاجتوں کے لئے اسی سے دعا کرو، اسی سے لو لگاؤ! آخر میں ارشاد فرمایا "الحمدلله رب العٰلمین" ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کا حق ہے جو رب العالمین ہے، سب کا خالق پروردگار ہے یہ "الحمدلله رب العٰلمین" بڑا ہی مبارک کلمہ ہے۔ یہ حمد وشکر کا کلمہ بھی ہے اور کلمہ توحید بھی ہے، اس کے مضمون پر یقین کے بعد شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العٰلمین۔ (ماخوذ درس قرآن)

(نوٹ: اعراب کے لئے قارئین کرام قرآن پاک سے رجوع کریں)

بہار کی بہار

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

مارچ ۱۹۰۷ء کا ذکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شہرت جلسہ دستار بندی کے موقع پر انگریزی ہائی اسکول کے ایک نویں درجہ کے طالب علم کو اس کے والد ماجد کے ہمراہ کھینچ کر لکھنؤ لائی، کانوں کو اشتیاق تھا، دو تقریروں کے سننے کا اور آنکھوں کو تمنا تھی، دو چیزوں کی زیارت کی۔ اللہ نے دونوں شوق پورے کرائے پہلی بار تقریر سننی نصیب ہوگئی مولانا شبلی کی، اور زیارت ہوئی ان کے چہرے کی دوسرے نمبر پر آرزو تھی ایک ندوی طالب علم کے دیکھنے اور سننے کی، جس کے مضامین استاذ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے، انہیں کے سانچے میں ڈھلے ہوئے، الندوہ میں نکل رہے تھے، جلسہ گاہ (رفاہ عام متصل سٹی اسٹیشن) میں پہونچ کر یہ دیکھنے میں آیا کہ ایک جوان عمر، خوش لباس طالب علم ہے، چہرہ پر خوشنما چھوٹی سی داڑھی، عینک، سر پر مدنی وضع کی مندیل، بشرہ سے ذہانت ٹپکتی ہوئی، سب کی نظروں کا مرکز ومرجع ہاتھوں ہاتھ لیا جارہا تھا، دستار بندی ہوئی یا "صاحب" کی لائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی اصطلاحوں میں یوں کہئے کہ کانووکیشن ایڈریس پڑھا گیا اور ڈگریاں تقسیم ہوئیں، اور اس ندوی نوجوان کی مفصل تقریر اردو میں ہوئی اور پھر ایک فرمائشی عنوان پر برجستہ تقریر عربی میں بھی۔ آنے والے اسکولی طالب علم کی دونوں تمنائیں، (ہائے لڑکپن کی نیم معصومانہ مسرتوں کا نشاب کوئی کہاں سے لائے) جی بھر کر پوری ہوئیں ۱۹۰۷ء کا اسکولی طالب علم وہی تھا جو آج ان سطور کا راقم ہے، اور فاضل ندوی نوجوان وہ تھا، جو بحمد اللہ اردو میں سیرت نبوی کا ضخیم دفتر تیار کر چکا ہے، اور جسے دنیا "مولانا" اور "علامہ" کے القاب کے اضافہ کے ساتھ سید سلیمان ندوی کہہ کر پکارتی ہے۔

اودھ کی سرزمین پر بہار کی محبت وعظمت کا تخم پڑا، اور وہ دن ہے اور آج، کہ تخم نے جڑ پکڑی، پودا بنا، برگ وبار پیدا کئے، اور آج ایک درخت ہی نہیں، پورا باغ کا باغ تیار۔ ۳۳ برس کی مدت کچھ تھوڑی ہوئی، قرن کا قرن گزر گیا، خدا جانے کتنی آندھیاں، کتنے طوفان اتنی مدت میں آئے اور کیسے کیسے چمن لٹ کر رہے، لیکن بہار کی خوشگوار یاد کی بہار آج بھی قائم۔ بلکہ اس میں دم بدم اضافہ وترقی۔

میں بے حد شرمیلا اور بدہمت۔ الندوہ کے مقالہ نگار کی علمی عظمت کا رعب دل پر طاری، ملنے کی جرأت اس وقت نہ ہوئی، کئی سال بعد جب لکھنؤ کے کیننگ کالج میں بی۔ اے کے پہلے سال کا طالب علم تھا، غالباً آخر ۱۹۱۱ء تھا، اور مولانا شبلی مرحوم کی الکلام پر ملحدانہ تنقید کے سلسلہ میں نام حاصل کر چکا تھا، جب جا کر تعارف کی نوبت آئی، اور نیاز مندی کے تعلقات رفتہ رفتہ اتنے بڑھے کہ دوستی کے ڈانڈے عزیزداری سے جا ملے اور اب سید صاحب میں اور اپنے قریب کے عزیزوں میں گویا کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا۔

مقامی خصوصیات، تمدن، معاشرت، ہر صوبہ کے الگ الگ ہوتے ہیں، پنجاب، بمبئی، سی پی، سب کہیں کا رنگ اودھ سے جداگانہ ہے، یہاں تک کہ خود یوپی کے شمالی مغربی اور جنوبی علاقے طرز معاشرت میں اودھ سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ خصوصیت بہاریوں میں دیکھنے میں آئی کہ وہاں کا رنگ ڈھنگ بالکل اودھ کا، اجنبیت کم سے کم مجھے تو کسی موقع پر محسوس نہیں ہوئی، پٹنہ کا تمدن لکھنؤ کے تمدن کا مثنیٰ، جس بہاری سے ملا معلوم ہوا اپنے ہی جوار کے کسی شخص سے ملاقات ہو رہی ہے۔

سید صاحب کے سلسلہ میں ان کے متعدد عزیزوں، ہم وطنوں سے ملاقاتیں ہوتی گئیں، سید نجیب اشرف ندوی اب ماشاء اللہ ایم۔ اے ہیں اور بمبئی کی طرف کسی کالج کے پروفیسر ہیں، میری نظر میں ان کی وہی لڑکپن کی بھولی صورت پھر رہی ہے، جب وہ ندوہ میں پڑھ رہے تھے اور ہنستے مسکراتے ہوئے نیم معصومانہ چہرہ کے ساتھ، نو مشق بچوں میں ایک ہونہار مقرر تھے مولوی ابوظفر صاحب ندوی، مولوی سید ہاشم ندوی (دائرۃ المعارف والے) مولوی سید محمد ندوی (شاگرد مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم) اور مولوی سید عبدالحکیم صاحب دیسنوی، وغیرہم ان میں سے بعض کی ملاقاتیں خود مستقل داستانیں ہیں۔

بہار واودھ کے تعلقات کی تاریخ اس سے بھی قدیم تر ہے، یہ ذکر تو میری اور سید صاحب کی ملاقات کا تھا۔ لیکن سید صاحب کے ایک بزرگ ہم نام، ابھی تک زندہ وسلامت مولانا قاری سید شاہ سلیمان صاحب پھلواروی تھے، ۳۰۔ ۳۵ سال ادھر علیگڑھ کانفرنس کا ہر اجلاس ان کے دم سے آباد، تو ندوہ کا ہر جلسہ ان کے وجود سے شاد اور میلاد کی بیان تو گویا ان کا حصہ تھا۔ ان کا ذکر خیر اپنے بالکل بچپن میں اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا تھا، اور اپنے والد ماجد کے ان سے مخلصانہ تعلقات ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۲ء

اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ شاہ صاحب کی طالب علمی کا ایک زمانہ لکھنؤ فرنگی محل میں گزرا تھا اور ہمارا خاندان بھی اپنے قرب تعلقات کی بنا پر گویا فرنگی محل کا ایک جزو تھا، شاہ صاحب نے بعض کتابیں ہمارے بزرگوں سے پڑھی تھیں، اور اسی تعلق سے کبھی کبھی دریا باد میں تشریف لاتے تھے، مگر میری یاد سے پہلے۔ اس کا تذکرہ خود موصوف نے اپنی زبان سے فرمایا، جب بہت مدت کے بعد غالباً ۱۹۳۱ء میں مجھے ذاتی طور پر شرف نیاز حاصل ہوا ان کی بزرگانہ شفقت اور کرم فرمائی بھولنے کی چیز نہیں، ۱۹۲۷ء میں جب پھلواری تھوڑی دیر کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تو خود شاہ صاحب اور ان کے ایک بھائی صاحب (غالباً مولوی علی حافظ نام تھا) اور صاحبزادے شاہ حسین میاں صاحب نے میرے لئے پردیس کو وطن بنا دیا، دوسرے صاحبزادے شاہ جعفر میاں اور نواسہ مولوی شاہ عزالدین سلمہٗ کی کرم فرمائیاں عین اپنی ان کی روایات خاندان کے مطابق ہیں۔

لکھنؤ میں دارالعلوم ندوہ ایک بڑا مرکز بہاری نوجوانوں کا ہے، اپنی کالجی طالب علمی کے زمانہ میں بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ بہار کا آدھا صوبہ کھینچ کر لکھنؤ آ گیا ہے، اور ندوہ کا دارالاقامہ پٹنہ ہی کا کوئی محلہ ہے، خدا جانے کتنوں سے ملاقاتیں اس سلسلہ کی ہوئیں، مولوی حاجی معین الدین (صاحب خلفائے راشدین) اور مولوی مسعود عالم (ایڈیٹر الضیاء، عربی) کسی تعارف کے محتاج نہیں، مولوی ابوالحسنات بے چارہ کی یادگاری شاید چند مضامین سے زائد نہ ہوں، بڑے ہونہار تھے، عین شباب میں وفات پا گئے، جلسوں میں نظم بالکل مولانا شبلی کے لہجہ میں پڑھتے تھے۔ مولوی احمد اللہ ندوی، مولوی عبدالقدوس ہاشمی ندوی (اب یہ سب حیدر آباد میں ہیں) سے بھی تعارف اسی زمانہ میں ہوا، مولوی سید ریاست علی ندوی آج ماشاء اللہ دوسروں کے "ندیم" و رہبر ہیں، ان کا وہ زمانہ یاد ہے غالباً ۱۹۲۰ء میں جب وہ بالکل سبزہ آغاز تھے اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم کے عزیز و مخصوص شاگردوں میں تھے، مولوی عبدالغفور صاحب شررؔ کا نام لیجئے بھول ہی چلا تھا۔ دفتر ندوہ کے بڑے پرانے سرگرم کارکن تھے، اور اب تو شاید نائب ناظم وہی ہیں، ایک زمانہ میں واقعی شرر ہی تھے۔

دارالعلوم کی بورڈنگ کے مقابل کیننگ کالج ہوسٹل تھا (جواب یونیورسٹی ہوسٹل ہے) اس میں ۱۹۱۱ء میں ایک سال قیام رہا، یہاں پٹنہ کے ایک نوجوان سید باقر حسن پہلے سے بورڈر تھے، بہار کے مشہور بیرسٹر سر سلطان احمد کے چھوٹے بھائی، وجیہہ و خوشرو، ہونہار و خوش خو علیگڑھ رہ کر آئے تھے، انگریزی تحریر و تقریر دونوں میں برق، مسلمانوں کے کام میں آگے آگے مجھ سے ایک سال آگے تھے۔ میں بی اے کے پہلے سال میں تھا، وہ آخری سال میں بیچارے کالج چھوڑتے ہی بیمار پڑے اور کچھ ہی روز بعد دق میں انتقال کر گئے سنی طلبہ سے ایسے شیر و شکر رہے کہ ان کے شیعہ ہونے کا پتہ بھی نہ چلا۔

سر علی امام کے بھائی حسن امام، اور والد ماجد نواب امداد صاحب اثرؔ، نواب نصیر حسین خاں خیالؔ اور اس وقت کے مشہور بیرسٹر مظہر الحق کو راجہ صاحب محمود آباد کے ہاں اور قومی جلسوں میں قریب سے دیکھنے کا اتفاق بارہا ہوا، لیکن بجز نواب خیالؔ کے اور کسی سے ذاتی تعارف کی نوبت نہ آئی، پٹنہ ہی کے رہنے والے ایک ڈاکٹر محمد وارث ایڈنبرا یونیورسٹی کے ایم۔ ڈی، لکھنؤ میں پریکٹس کرتے تھے، حکیم مہدی کے مقبرہ کے مقابل جگت نرائن روڈ پر ۱۹۰۹ء تھا کہ اپنی آنکھوں کا معائنہ کرانے گیا، بڑی توجہ اور شفقت سے دیکھا۔ میں طالب علم، بھلا فیس کیا پیش کر سکتا تھا، ان کی توجہ ہی بہت غنیمت معلوم ہوئی، ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہو گیا، اکثر ان کے ہاں آنا جانا رہتا، کام تو بیچارہ کا یوں ہی سا چلتا، البتہ اپنے فن سے متعلق پڑھے لکھے بہت تھے پہلی جنگ کے زمانے میں کہیں سول سرجن ہو کر چلے گئے، اس کے بعد صرف ایک بار سرسری ملاقات ہوئی تھی، جہاں کہیں ہوں اللہ خوش رکھے۔

خلافت و ترک موالات کی تحریک نے دور دور کے مسلمانوں کو یکجا کر دیا تھا، بہار و اودھ کا تو پڑوس ہی تھا۔ میں تحریک میں شریک اس وقت ہوا، جب خود تحریک ختم ہو رہی تھی، محمد علی کی ذات اس وقت بھی بجائے خود ایک مرکز و مرجع تھی، میں تو خیر عاشقوں میں تھا، باقی اور بھی خدا معلوم کتنے اس شمع کے پروانے تھے، دہلی بار بار میری آمد و رفت رہتی، یہ ذکر ۱۹۲۴ء اور اس کے بعد کا ہے، اور دفتر ہمدرد، کامریڈ میں سب کہیں کے مسلمان اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ مولوی محمد شفیع داؤدی، مولوی عبدالغنی، پروفیسر عبدالباری (جواب شاید باری جی کہلاتے ہیں) مولوی سید حسن آرزو وغیرہم سے اس سلسلہ میں بارہا ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حضراتِ بہار کی سادگی اور اخلاص مندی سے دل خاص طور پر متاثر رہا۔ مولوی شفیع داؤدی اور مولوی عبدالغنی کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اسمبلی اور کونسل کے ممبر ہو کر نماز کے پورے پابند ہیں، لباس سادہ رکھتے ہیں، بازار میں پیدل چلتے پھرتے اور اپنے ہاتھ سے سودا سلف لے آتے ہیں، بھلا ہمارے ہاں کے ارکان کونسل مسجد کی حاضری، اور موٹر چھوڑ کر پیدل چلنا کیا جانیں؟ مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار کو پہلی بار مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کے مکان

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کہا کہئے

جناب مولانا سید محمد حمزہ حسنی
ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسلمانوں کی کمزوری نے یہ دن بھی دکھایا کہ امریکہ نے دو مسلمان ملکوں کو تباہ کرنے کے بعد اب اسلامی عقائد پر حملے شروع کر دیئے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قرآن مجید کی توہین کرنا امریکی حکام کا شیوہ بن گیا۔ خباثت کی انتہا یہ ہے کہ اس پر اظہار شرمندگی بھی نہیں، اور رواداری میں اس کو چند لوگوں کی حرکت بتا کر ایسے ملعون مجرموں کو سزا تک نہیں دی گئی اور افغانستان میں جب مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو ان پر گولیوں کی بارش کی گئی جس سے متعدد مسلمان شہید ہوئے۔

مسلم حکمرانوں نے اس واردات پر جس مجرمانہ خاموشی کا مظاہرہ کیا وہ خود ایک بدترین جرم ہے، تاریخ اسلام میں ایسے مجرم حکمراں ڈھونڈے سے نہیں ملتے اور ایسے مجرم حکمرانوں کو برداشت کرنے والے عوام بھی نہیں ملتے۔

مسلمانو! کیا تمہاری غیرت و حمیت کا جنازہ اٹھ گیا؟ اب اس کے بعد کیا باقی رہ گیا؟ اب کس بات کا انتظار ہے؟ ازبکستان میں امریکی غلام اسلام کریموف نے جو پہلے روسی غلام تھا، کس طرح عام مسلمانوں کو گولیوں سے بھون ڈالا صرف اس بات پر کہ ان کا قصور تھا کہ وہ اسلام کو نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے، اور یہ اسلام کریموف وہی ہے جس نے افغانستان پر فوج کشی کرنے کے لئے سب سے پہلے امریکہ کو فوجی اڈے بنانے کے لئے ازبکستان کی زمین دی، آج پورا ملک امریکی فوجیوں کے شکنجے میں ہے، اور جس ازبکستانی فوج نے اپنے عوام کو زندگی سے محروم کیا وہ امریکی فوج کی تربیت یافتہ ہے اور جب حقوق انسانی کی تنظیموں نے اس پر احتجاج کیا کہ عام شہریوں کا قتل عام ہو رہا ہے تو اسی ازبکستانی صدر اسلام کریموف نے کہا کہ مرنے والے بنیاد پرست مسلمان تھے، جو اسلام کو ازبکستان میں نافذ کرنا چاہتے تھے، یہی کام پاکستانی صوبہ بلوچستان میں انجام دیا جا رہا ہے جس پر ان کا آقا ان کی پیٹھ تھپتھپا رہا ہے ان کی کرسی باقی رکھنے کی ضمانت دے رہا ہے، اور آج جس کی یہ حیثیت ہے کہ امریکی اخبار اس کو امریکی کتا بتا رہے ہیں جو اپنے مالک کی خدمت پوری وفاداری سے کر رہا ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں الامام احمد بن عرفان الشہید کی تقریب رسم اجراء

دارالعلوم ندوۃ العلماء، میں آج جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی مرتب کردہ رجال الفکر والدعوۃ کے سلسلے کی ایک کڑی اور اس کے پانچویں حصے "الامام احمد بن عرفان الشہید" کا اجراء ادارہ کے مہتمم ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کیا۔ اس موقع پر موصوف نے کہا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شخصیت اپنی اثر خیزی اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ایسی تھی جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہے مگر عالم اسلام ان سے مکمل طور پر واقف نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ اسی کے پیش نظر ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت تھی اور خوشی کی بات ہے کہ جناب مولانا واضح رشید صاحب ندوی نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔

اس موقع پر دارالعلوم کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے کہا کہ اس کتاب نے برصغیر کے مسلمانوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے اور ان کی زندگیوں میں حرارت پیدا کر دی ہے۔ مجلس تحقیقات و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء، کی جانب سے شائع ہونے والی اس کتاب میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ ہے جو دنیائے اسلام کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کی ایک کڑی ہے۔

قارئین توجہ فرمائیں
آپ کے پتہ کے کنارے آپ کا خریداری نمبر ہوتا ہے، اگر اس نمبر کے نیچے لال یا کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہذا جلد ہی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔
منیجر تعمیر حیات

اس مدرسہ کا عنوان حضرتؒ کے حلم وشفقت کے پس منظر میں اور اس کے اظہار کے لئے جو کہ میں نے برخلاف سختی کے ان میں ہمیشہ غالب پایا ''الحلم مدرسۃ العلوم'' رکھا گیا۔ جب یہ مدرسہ چل پڑا اور اس محلّہ اور اطراف کے بچوں کا رجوع جوق در جوق بڑھا تو مسلمانان مدھوگڑھی نے (یہ محلّہ نگلا لالہ سے تقریباً دو کلومیٹر دوری پر واقع ہے) نے اپنے محلّہ میں واقع پرانے مدرسہ کے منتظمین کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور ذمہ داروں سے یہ کہا کہ تمہاری وجہ سے اس محلّہ میں مدرسہ قائم نہ ہوسکا، یا تو آپ لوگ خود مدرسہ چلائیں یا پھر اس مدرسہ کی جگہ وعمارت کو ہماری تنظیم کے حوالہ کریں تاکہ نگلہ لالہ والوں کی طرح ہم لوگ ایک مدرسہ ان کے محلّہ میں بھی قائم کرسکیں۔ اس طرح ایک مدرسہ 'مدھوگڑھی' میں بھی قائم ہوگیا، جہاں ہمیں مدرسہ کی تعمیر شدہ عمارت جس کا رقبہ نو ہزار مربع فٹ ہے بغیر کسی قیمت کے حاصل ہوگئی۔ مزید برآں یہ کہ جس جگہ پر یہ مدرسہ قائم ہے وہ ایک غیر مسلم نے بغیر کسی قیمت ہدیہ کی ہے۔ الحمدللہ یہ دونوں مدارس چل رہے ہیں۔ یہ محض حضرت کی توجہات اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ نگلہ لالہ میں اتنی بڑی جگہ شہر کے بیچ مفت دستیاب ہوگئی اور دوسری طرف جس محلّہ والوں نے مدرسہ یا اس کی زمین دینے سے صاف انکار کردیا تھا اب وہ خود ہی بضد ہوئے اور خوشامد کرکے مدرسہ کی اس عمارت کو ہماری تنظیم ''نورالعلوم ایجوکیشن سوسائٹی'' کو بغیر قیمت کے سونپ دیا۔ اللہ کی ذات عالی سے مجھے پوری توقع ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ جو آج اپنے بالکل ابتدائی مراحل میں ہے کل انشاء اللہ ایک جامعہ کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اس مدرسہ کی ابتدا حضرت قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم جو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے خلیفہ ہیں کے بدست مبارک ہوئی اور آپ ہی نے چند بچوں کو بسم اللہ پڑھائی۔ جس وقت بسم اللہ پڑھائی آپ نے اس جگہ کو دیکھ کر فرمایا کہ انشاء اللہ اتنی جگہ میں دارالعلوم بن جائے گا۔ مجھے اور میرے تمام رفقاء کو اسی وقت سے امید ہو چلی ہے کہ نہ صرف یہاں دارالعلوم قائم ہوگا بلکہ یہ علاقہ جہاں سے بڑے پیمانے پر ارتداد کو فروغ ملا عنقریب انشاء اللہ اعلاء کلمۃ الحق اور دین کی دعوت کا مرکز بنے گا۔

حضرت کی طرز تعلیم بڑی ممتاز تھی، خصوصاً جدید طبقہ کے لئے آپؒ بڑی عام فہم مثالوں سے پیچیدہ سے پیچیدہ باتوں کو سمجھا دیتے تھے۔ قرآن اکثر لوگ مجہول پڑھتے ہیں۔ معروف پڑھنے کی تائید میں انگریزی کے الفاظ Two اور Lift کی مثال دیا کرتے کہ دونوں کے محض مجہول تلفظ سے معنی میں کتنا فرق واقع ہوجاتا ہے۔ چونکہ میں مضمون کو طویل نہیں کرنا چاہتا اس سلسلہ میں حضرت کی ایک تقریر پر اکتفا کرتا ہوں۔ ''مجالس ابرار'' میں اصلاحی تعلق کی ضرورت کو حضرت کس سلیس انداز میں سمجھاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ ''جب کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا تو اس کی مثال اس موٹر کی ہے جس پر ڈرائیور نہ ہو۔ ایسی موٹر خود بھی تباہ ہوتی ہے اور اس پر بیٹھنے والوں کو بھی ہلاک کرتی ہے۔ دنیا میں جتنے گمراہ فتنے پیدا ہوئے ہیں انکا بانی جاہل نہیں ہوتا۔ پڑھا لکھا ہی ہوتا ہے، مگر اس کا کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا، لہذا کچھ دن تو صحیح کام کرتا ہے، پھر جیسے موٹر بدون ڈرائیور سیدھی سڑک پر کچھ دیر سیدھی چلے گی مگر جب موڑ یا چوراہا آئے گا تو ٹکر کھا جائے گی یا غلط راہ پر لگ جائیگی۔ اسی طرح وہ شخص بھی دین کے کسی موڑ اور چوراہے پر ٹکر کھا کر خود بھی گمراہ ہوجاتا ہے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے، لہذا مؤذن، امام اور مدرس کے لئے بوقت تقرر ہمارے یہاں یہ شرط ہے کہ اس کا تعلق اکابر میں سے کسی سے ضرور ہو'' یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ بہت سے اہل اللہ واکابر سے بڑے بڑے اصلاحی کام وجود میں آئے اور بڑی تعداد میں لوگ ان سے فیضیاب ہوئے لیکن خود ان کی اپنی بستیوں اور شہروں کے ماحول پر اس کا اثر خال خال ہی نظر آیا برخلاف ہردوئی کے جہاں اس شہر کے عوام الناس کا ماحول حضرت کی تعلیمات سے کافی متاثر نظر آتا ہے۔ یہی عام فہم اور سلیس انداز گفتگو تھا اور حضرت کی توجہ کہ ہر خاص وعام آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

حضرت کا تعلق ایک خوشحال عصری تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد ماجد ایک نامور وکیل تھے۔ ایک بھائی اور دو بہنوں نے عصری علوم میں امتیاز حاصل کیا لیکن آپ کے والد بزرگوار نے اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ایماء پر آپ کو دینی تعلیم دلوائی اور اللہ نے دعوت دین خصوصاً احیاء سنت رسول کے واسطے ایسا قبول فرمایا کہ آپ مثل آفتاب خانقاہ تھانہ بھون سے روحانیت کی عظیم امانت لے کر طلوع ہوئے اور زائد از نصف صدی تعلیم وتربیت اور احیاء سنت کی ضیاء پاشیوں سے سارے عالم کو منور کرتے ہوئے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ اور اب ع

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اب حضرت کی زیارت اور ان سے استفادہ کا ذریعہ ان کی کتابیں، ان کا ''ایک منٹ کا مدرسہ'' اور ادارہ ''دعوت الحق''، ''مجالس ابرار'' وغیرہ ہی رہ گئے ہیں یا پھر حضرت کے وہ خلفاء ومتوسلین ہیں جن کو آپ نے اپنی جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

دہشت گردی کو فروغ دینے کا ذمہ دار کون

مدارس یا عصری دانش گاہیں

عبدالحنان سیوانی ندوی

علامہ اقبال کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بصیرت عطا فرمائی تھی۔ ان کے اشعار میں وہ اسلامی روح پائی جاتی ہے جس روح نے عرب کے ریگستانوں سے نکل کر اقوام عالم کو امن وآشتی کی فضاؤں سے منور کردیا تھا۔ علامہ اقبال کا ہی ایک شعر ہے

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج

ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

دو مصرعوں پر محیط یہ شعر اپنے اندر ایک تاریخ رکھتا ہے۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے روس کے خلاف لڑنے والے غیور افغانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ دشمنان اسلام غیور افغانیوں کے جذبۂ حریت اور قابض افواج کے خلاف حملہ آوری کی وجہ علماء کو گردانتے ہیں وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر یہ ملا رہے تو مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کو نیست ونابود کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ اسی لئے ان ملاؤں کو افغانوں کی سنگلاخ وادیوں سے نکال باہر کرو۔

دنیا کو کسی چیز سے خطرہ نہیں ہے لیکن جس چیز سے خطرہ سمجھا جارہا ہے اور اس کی تشہیر کی جارہی ہے، وہ ہیں مدارس اسلامیہ۔ انہیں ان مسلمانوں سے بھی خطرہ نہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور کسی خاص موقع پر اسلام کی کچھ باتوں پر کانفرنس وغیرہ کرلیتے ہیں۔ بس کیونکہ یہ تو مذہبی حقوق کی پاسداری کا ایک حصہ ہے۔ البتہ انہیں اس روح سے خطرہ ہے جس روح میں انقلاب پیدا کردینے کی طاقت ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں وہ کون سی روح تھی جس نے دنیا کی سب سے جاہل قوم کو دنیا کی متمدن قوموں کی صفوں میں لاکھڑا کیا تھا اور تاریخ آج تک اس کی نظیر نہیں پیش نہیں کرسکی ہے۔ یہی وہ روح تھی جس نے صحابہ وصحابیات کو اسلام کے فروغ کیلئے گھربار، مال ودولت حتی کہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وہ روح جب بعد کے زمانوں میں چند لوگوں میں جلوہ گر ہوئی تو اندلس فتح ہوگیا۔ محمد بن فاتح میں پیدا ہوئی تو قسطنطنیہ فتح ہوگیا اور صلاح الدین ایوبی میں پیدا ہوئی تو مسجد اقصیٰ فتح ہوگئی دنیا کو ان مدارس سے اسی لئے ڈر ہے کہ ان کے اندر وہ روح ہے جو بڑے بڑے سورماؤں کو سرنگوں کردینے کی قدرت رکھتی ہے۔

اسی لئے دنیا مدارس پر دہشت گردی، انتہا پسندی کا الزام لگاتی رہتی ہے اور اس میں وہ مسلم مرد عورتیں بھی شامل ہیں جنہیں اسی کام کے لئے تعاون دیا جاتا رہا ہے وہ بھی خواہان مسلم بھی ہیں جو مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے خواہش مند ہیں لیکن مدارس ان کی نگاہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔

۹/۱۱ کے بعد مدارس پر جو تابڑ توڑ حملے ہوئے ہیں شاید اس کی جگہ کوئی اور قوم ہوتی تو معاملہ پر غور وخوض ضرور کرتی لیکن طبقۂ علماء ایسا سخت جاں حلقہ ہے کہ ان پر یہ الزام تراشیاں اثر انداز نہ ہوسکیں۔

بہر حال ۹/۱۱ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے نقصانات کا جائزہ لیں تو جہاں ایک طرف نقصانات ہوئے ہیں وہیں فائدہ بھی ملت اسلامیہ کو ہوا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں رہنے والی عوام نے ان الزامات کا بخوبی مطالعہ کیا جو اسلام اور مسلمانوں پر لگائے گئے ہیں۔ شاید اردو خواں حلقہ کو معلوم نہیں کہ اگر وہ جائزہ لیں تو اسلام اور مسلمانوں کی حمایت میں انگریزی مصنفین اور کالم نویس نے جس قدر غیر جانبدارانہ نقطہ نظر پیش کیا ہے شاید خود مسلمانوں کی جانب سے بھی وہ کام نہیں ہو پایا۔ آج مسلمانوں کے پاس وہ قوت نہیں ہے کہ وہ امریکی ذرائع ابلاغ کا مقابلہ کرسکیں۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ خود مغرب میں ایسے افراد پیدا کررہا ہے جو اپنی ہی قوم کے ظلم وزیادتی اور غلط پروپیگنڈہ کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں۔ مسلمانوں کے مظاہرے اور ان کا احتجاج تو سڑکوں کی زینت ہی بن جاتا ہے لیکن جب ایک غیر مسلم اسلام کی حمایت میں غیر جانبدار ہوکر لکھتا ہے تو اس کی آواز کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ حتی کہ مغرب اور یورپ کے ایوانوں میں لرزہ آجاتا ہے۔ حال ہی میں مدارس پر ایک تحقیقی مضمون لکھا گیا ہے جس میں مضمون نگار نے امریکی اور دیگر افراد پر لعنت وملامت کی ہے اور حقائق کے ذریعہ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مدارس کا خصوصاً دہشت گردی سے کتنا تعلق ہے۔ یہ مضمون ان مسلمانوں کے لئے بھی بطور عبرت ہے جو بغیر سوچے سمجھے مدارس پر الزامات لگاتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو اپنی قوم سے دور اور غیروں سے واہ واہی میں جٹے رہتے ہیں اور مخالفین مدارس کے لئے ہمت افزائی کا باعث بنتے ہیں۔ اس مضمون کا عنوان ہے ''مدارس کے متعلق غلط فہمیاں''۔

یہ مضمون پیٹر برگن اور سوائی پانڈے نے مل کر تحریر کیا ہے۔ مضمون کی ابتدا پیٹر برگن اس طرح کرتے ہیں۔

''دہشت گردی کے نام پر کی جانے والی

سعادت نصیب ہوئی، اور آپ کی باتیں دل میں اترتی چلی گئیں۔

حضرتؒ کی زیارت گو کہ علیگڑھ اور علیگڑھ کے باہر بار بار ہوتی رہی تا ہم ان سے ایک عرصہ دراز تک بیعت کی سعادت حاصل نہ ہوئی۔ اس کی دو وجو تھیں ایک یہ کہ حضرت کے بارے میں یہ سنتا رہتا تھا کہ شریعت کی پابندی کے سلسلہ میں کافی سخت گیر ہیں حالانکہ میں نے کبھی اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کہ آیا سختی کے کیا مفہوم ہیں؟ اور سختی کس قسم کی ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بندہ اسی دوران یعنی ۱۹۶۸ء میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی (حضرت جی) سے بیعت ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی وفات کے بعد اپنی طبیعت کے میلان کی وجہ سے میرا ارادہ ہوا کہ میں حضرت مولانا علی میاںؒ سے بیعت ہو جاؤں جس کا ایک موقع پر میں نے اظہار کیا تھا لیکن وہ بات اس وقت ٹل گئی، وقت تیزی سے گزرتا گیا یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا بھی اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ ایک دن علیگڑھ شہر کے محلہ اپر کوٹ میں واقع انجمن تعلیمات دین (شاخ دینی تعلیمی کونسل) کے اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب، جو حضرت ہردوئی کے بڑے عقیدت مندوں میں تھے، ذکر کرنے لگے کہ میں ہردوئی اس نیت سے گیا کہ اب کی بار حضرت سے بیعت ہو جاؤں لیکن جب وہاں اس کا اظہار کیا تو مجھے دو پرچے دیئے گئے جس میں بہت سی شرائط اور ہدایات لکھی ہوئی تھیں، یعنی کن کن باتوں کی مجھے پابندی کرنا ہوگی، کیا کیا اذکار و وظائف ہوں گے اور بصورت دیگر اپنی کوتاہیوں سے حضرت کو مطلع کرنا ہوگا وغیرہ۔ جب میں نے شرائط کے ان دو پرچوں کو پڑھا تو میں حضرت سے بیعت کی ہمت نہ کرسکا اور واپس چلا آیا۔ ان کی یہ گفتگو میں بغور سن رہا تھا اور دل و دماغ اس کی تائید کر رہا تھا کہ ایک شیخ کو تو ایسا ہی ہونا چاہئے ورنہ اصلاح کیسے ہوگی اور پھر بیعت بے معنی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت کی سخت گیری سے مراد غالباً یہی وہ باتیں ہیں جن کا لوگ تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور اسی وقت میں نے یہ نیت کی کہ مجھے حضرت سے بیعت ہونا چاہئے تا کہ صحیح اصلاح و رہبری ہو سکے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد میں حضرت سے بیعت ہوا، بیعت کے وقت میرے علاوہ دو ایک حضرات اور تھے۔ بیعت کی کیفیات کو قلمبند کرنا نہ صرف محال ہے بلکہ ناممکن لیکن جو سخت گیری کی باتیں سنتا رہتا تھا اس کے بالکل برخلاف حضرت کو انتہائی حلیم اور شفیق اور محبت کا مجسمہ پایا، چاہے جس درجہ کلفتوں اور افکار کے گھیرے میں کیوں نہ ہوں حضرت کی خدمت میں حاضری اور ان کی زیارت کے بعد وہ کیفیتیں یک لخت کافور ہو جاتی تھیں اور سکون و سکینت کی کیفیت میسر ہو جاتی۔ جن اذکار کی تعلیم حضرت نے مجھے فرمائی ان میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ تھا کہ میں روزانہ تین تین سو بار استغفار، کلمہ طیبہ اور درود شریف کا معمول رکھوں۔ اپنی بعض مصروفیات کی بنا پر اس معمول میں کوتاہی ہوتی تھی، میں نے حضرت سے تنہائی میں اپنی اس کوتاہی کا اظہار کیا تو بڑی شفقت سے یہ فرمایا کہ عام حالت میں معمول تو وہی رکھو تا ہم مصروفیات کے اوقات میں کم از کم یہ تینوں تسبیحات دس دس بار پڑھ لیا کرو۔ حضرت کے محاسبہ کی سخت گیری کا کہیں دور دور شائبہ مجھے نظر نہ آیا۔ اس بات پر مجھے ہمیشہ حیرت رہی کہ لوگ ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں؟

بیعت ہونے کے بعد حضرت سے استفادہ کا خاطر خواہ موقع مجھے نہیں مل پایا جس کا مجھے قلق ہے اور اس محرومی کا احساس ہمیشہ رہے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ اس دوران یونیورسٹی انتظامیہ کی ایک اہم ذمہ داری میرے سپرد تھی اور اس میں انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وقت نکالنا اور حضرت کی خدمت میں زیادہ حاضر باشی ممکن نہ تھی، حضرت کو بھی غالباً اسکا احساس تھا۔ یہ خیال تھا کہ اس ذمہ داری سے جلد ہی سبکدوشی ہو جائے گی۔ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ وقت دے کر کچھ حاصل کرلوں گا لیکن اس کی نوبت نہ آئی کہ اچانک حضرت داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جس دن حضرت کی رحلت ہوئی اس سے ایک ہی دن قبل صبح اپنے رفیق (بھائی غلام رافع خاں شیروانی) سے پروگرام بنایا تھا جس کے تحت حضرت کی وفات کے گویا چوتھے دن، ہم دونوں کا ہردوئی جانا طے تھا لیکن اس بیچ اچانک ۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷رمئی ۲۰۰۵ء کو رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے اطلاع ملی کہ حضرت رحلت فرما گئے، جن جن نے سنا ایک سکتہ کی کیفیت ان پر طاری ہوگئی۔ حیرانی اور تعجب کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت کی رحلت سے کچھ عرصہ قبل آپ کی صحت کافی حد تک اطمینان بخش ہوگئی تھی اس لئے آپ کی اچانک موت ان لوگوں کے لئے غیر متوقع تھی جو حضرت کی اس دوران صحت کی بہتری سے واقف تھے۔ رات میں ہی علیگڑھ سے ہم لوگ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کی معیت میں ہردوئی روانہ ہوئے اور صبح کی نماز کے وقت ہردوئی پہونچ گئے، اس وقت تک ایک جم غفیر حضرت کی قیام گاہ یعنی مدرسہ کے چاروں طرف اکٹھا ہو چکا تھا لہذا ہم لوگ صدر دروازے سے اندر داخل نہ ہو پائے اور مدرسہ کی مسجد سے ملحق عقبی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ حضرت کے حجرے میں میت کفنائی ہوئی رکھی تھی، زیارت کی،

چہرے پر نور برس رہا تھا اور ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ حضرت وفات فرما چکے ہیں، دیکھنے سے ایسا لگتا تھا کہ چہرے کی نورانیت میں بعد از وفات مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں میت کو باہری برآمدہ میں عوام کی زیارت کے لئے رکھ دیا گیا جس کا سلسلہ گھنٹوں قائم رہا لیکن چونکہ انسانوں کا سیلاب مسلسل بڑھ رہا تھا اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ سارے لوگ زیارت کر سکیں۔ لہذا وقت مقررہ یعنی آٹھ بجے صبح جنازہ کا سفر عیدگاہ کے لئے شروع ہوا۔ مدرسہ اور عیدگاہ کی دوری کم و بیش ایک کلومیٹر ہوگی تاہم جنازہ کے پہونچنے میں دو گھنٹے سے اوپر وقت لگ گیا۔ لاکھوں کا مجمع نماز جنازہ میں شریک ہوا اور آپ کی تدفین ہردوئی کے عام قبرستان میں عمل میں آئی اور وہ آفتاب جو احیاء سنت رسول کی شعاعیں زندگی بھر بکھیرتا رہا بالآخر ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ جنازہ گویا زبان حال سے کہہ رہا تھا۔ ع

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت سے منسلک ہونے کی مختصر مدت میں جو مجھے مل پایا اس میں حضرت کی توجہات کی برکت کا ایک واقعہ ذکر کئے بغیر اس مضمون کو میں ادھورا سمجھتا ہوں۔ ضلع ہاتھرس کے اطراف میں بہت سے گاؤں ایسے ہیں جہاں راجپوت نسل کے بہت سے مسلمان آباد ہیں۔ بعض حالات کی بنا پر ان مسلمانوں کی بیشتر آبادی اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئی جس کی تعداد تقریباً ۲۵ر ہزار ہے ان میں اکثروں نے ہندو مذہب اختیار کیا اور بعض نے قادیانی عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی اسلام سے ناواقفیت، جہل، غربت و افلاس اور ہندو، عیسائی اور قادیانی مبلغین کی انتھک محنت ہے اور ہم مسلمانوں کی مجرمانہ غفلت و کوتاہی۔ ہاتھرس شہر میں بھی مسلمانوں کی بیس پچیس ہزار کی آبادی ہے لیکن اس پوری آبادی میں کوئی بھی مدرسہ یا اسکول نہیں تھا جہاں مسلمان بچے اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتے۔ ارتداد کی منجملہ دوسری وجوہ کے ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ آر۔ ایس۔ ایس، قادیانی اور عیسائی تنظیمیں جگہ جگہ اپنے اسکول قائم کر کے مسلمان بچوں کی ذہنی تطہیر کر رہی تھیں۔ اسکے برعکس مسلمانوں نے ان گاؤں میں کوئی مدرسہ یا اسکول کھولنے کی ہمت نہیں کی۔ لہذا ہم لوگوں کی طرف سے اس بات کی کوشش کی گئی کہ ایسے متبادل اسکول قائم کئے جائیں جہاں بچوں کو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جا سکیں۔ چند سالوں میں ایسے کئی اسکول ان ارتداد زدہ گاؤں میں قائم ہو گئے جن کا زبردست اثر اس علاقہ کے غریب اور ناخواندہ مسلمانوں پر پڑا اور جس کے نتیجہ میں نہ صرف ارتداد تھما بلکہ بہت سے مرتدین، اسلام کی طرف واپس ہوئے اور ہو رہے ہیں، چونکہ ہاتھرس شہر ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور وہاں کوئی ایسا اسکول یا مدرسہ نہیں تھا اور گاؤں والوں کا تعلق مرکزی شہر سے بہت زیادہ ہوتا ہے لہذا ہم لوگوں نے کوشش کی کہ یہاں بھی ایک دینی مدرسہ اور اسلامیہ اسکول قائم کیا جائے لیکن شہر میں جگہ کی خریداری کے لئے ایک بڑی رقم درکار تھی، سوچا گیا کہ کوئی ایسی جگہ جو مسجد سے ملحق افتادہ پڑی ہو اس کام کے لئے استعمال کی جائے اور اس مسجد سے متعلق افراد سے اس سلسلہ میں درخواست کی جائے۔ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ محلہ ''مدھوگڑھی'' میں ایک مدرسہ کی عمارت موجود ہے جس کو اس محلہ کے ایک ذمہ دار صاحب نے مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر کرایا تھا لیکن مدرسہ چلانے میں کامیاب نہ ہو سکے لہذا وہ عمارت خالی پڑی ہے۔ ہم لوگوں نے درخواست کی لیکن ان صاحب نے صاف انکار کر دیا اور وہ عمارت ہمیں نہ مل سکی۔ اس دوران ایک تبلیغی جماعت گجرات کے علاقہ سے اس ارتداد زدہ علاقہ اور ہاتھرس شہر میں آئی۔ ان ایام میں حضرت کا قیام علیگڑھ میں ہی تھا۔ چنانچہ یہ جماعت حضرت کی زیارت کو علیگڑھ بھی حاضر ہوئی۔ دوران ملاقات ایک درخواست حضرت کو دی جس میں ہاتھرس اور اس کے نواحی دیہاتوں میں جہل و ارتداد کا تذکرہ تھا اور حضرت سے درخواست کی گئی تھی کہ حضرت ہاتھرس میں اپنی ''دعوت الحق'' کی ترتیب میں مدرسہ کی ایک شاخ قائم فرمائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت نے مجھے طلب فرمایا، میں اس وقت یونیورسٹی کے کسی مسئلہ میں پھنسا ہوا تھا۔ لہذا نہ مجھے اطلاع ہو پائی اور نہ میں حاضر ہو سکا، یہاں تک کہ وہ جماعت علیگڑھ سے واپس چلی گئی۔ حضرت نے اس درخواست پر اپنے قلم سے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں ہاتھرس میں ایک مدرسہ قائم کروں۔ دوسرے روز صبح حضرت کی ہردوئی واپسی تھی۔ واپسی کے وقت اسٹیشن پر حاضر ہوا تو حضرت کو اس مسئلہ میں متفکر پایا۔ میں نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ حتی الوسع کوشش میں کمی نہ کروں گا۔ اس پر حضرت کے چہرے پر اطمینان کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت نے دعائیں دیں۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اس مدرسہ کے اخراجات میں ہی برداشت کروں گا جو امر میرے لئے باعث حیرت تھا۔ چونکہ مدھوگڑھی والوں نے مدرسہ کی تعمیر شدہ عمارت دینے سے انکار کر دیا تھا لہذا ہم لوگوں نے دوسرے محلہ میں کوشش کی۔ محلہ ''نگلا لالہ'' میں ایک ایسی مسجد ہے جس سے ملحق تیرہ ہزار مربع فٹ جگہ افتادہ پڑی تھی۔ محلہ والوں کی مرضی سے وہ جگہ ہماری تنظیم کو مل گئی اور حضرت کی توجہات کی برکت سے یہ زمین جو کہ دسیوں لاکھ روپے کی تھی مفت حاصل ہو گئی اور ایک مدرسہ کی شروعات ہو گئی۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر

جناب عبدالرشید ندوی

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں کچھ اللہ والے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! وہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ قرآن والے ہیں'' ''یہی حضرات اللہ کے دوست اور اس کے خاص الخاص بندے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو یہ بتایا کہ دنیا میں بسنے والے انسانوں میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں، جب صحابہ نے یہ سنا تو ان کے پاکیزہ دلوں میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ ان خوش قسمتوں کی صفت معلوم کریں۔ تاکہ ان کی نورانی فہرست میں شامل ہوں، یہ مربی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نرالا انداز تھا کہ دلوں میں ذوق وشوق، جوش وولولہ پیدا فرمادیتے اور لوگ سراپا اشتیاق ہوجاتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اس سے بڑھ کر جذبۂ شوق کو مہمیز کرنے والی بات کیا ہوسکتی تھی کہ ہم جیسے انسان اللہ کے ولی اور دوست بن سکتے ہیں، اس دولت کے ہاتھ آنے کے بعد پھر ہمیں کیا چاہئے اور ہم اللہ والے بن جائیں اس کی محبت ورضا ہم کو نصیب ہو جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی عظیم الشان نعمت کو حاصل کرنے کے لئے کتنا آسان نسخہ بیان فرمایا کہ قرآن والے بن جاؤ، پھر تم اللہ والے بن جاؤ گے اللہ کا قرب مل جائیگا۔ لسان نبوت کی بلاغت پر قربان جایئے کہ دریا کو کوزہ میں بھر دیا۔ قرآن والے کہلانے کے وہی مستحق ہیں جن کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق وشغف ہو، اس کے ہر حکم پر ہزار جان سے نثار ہوجاتے ہوں۔ اس کی تلاوت، اس کے معانی میں تدبر کرنا اور اس کے بحر میں غواصی کرنا انکا محبوب مشغلہ ہو، اس کی تعلیم وتبلیغ اور دنیا میں اس کو عام کرنے کی دھن انہیں لگی ہو، جب لوگ کسی کو عطر والا، میوے والا، پھول والا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا ان چیزوں سے گہرا تعلق ہے، یہی اس کا پیشہ ہے، جب کسی خوش نصیب کا اسی طرح کا تعلق قرآن کریم سے ہوجائے اور جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''کان خلقه القرآن'' وہ اس طرح قرآن کے رنگ میں رنگ جائے تو پھر اللہ ایسے بندہ سے محبت فرماتا ہے، اسے اپنے در سے قریب کرلیتا ہے، دنیا وآخرت کی سرفرازی وسربلندی سے نوازتا ہے، اور وہ شخص دنیا کے انسانوں میں افضل ترین فرد ہوتا ہے حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کو سکھائے۔''

''قرآن والوں'' کا حقیقی مصداق صحابہ کرام اور پھر ان کے متبعین تھے، جب انھوں نے قرآن کو سینے سے لگایا اور قرآن والے ہوگئے تو اللہ ان کا ہوگیا اور پوری دنیا ان کی ہوگئی، اور آج جب کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا، اس کے حقوق سے لاپروائی کی، اس کی بے حرمتی خود کی اور بے حرمتی کو گوارا کیا، طاقوں میں سجا کر رکھ دیا، یا چند موقعوں کے لئے خاص کرلیا تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہم سے ہٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا ''اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو سرفرازی وبلندی عطا فرمائے گا اور کچھ لوگوں کو اس سے غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے ذلیل فرمائے گا۔'' (مسلم)

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

☆☆☆

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Tel:3460220,3468708

۱۲ نمبر اور ۱۲x کی اسپشل چائے استعمال کیجئے

بوئے لطف اور بیانا نہا گرفت

پروفیسر نفیس احمد
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

حضرت مولانا شاہ ابرارالحقؒ کی ذات گرامی ان نادر مصلحین امت میں سے ایک ہے جنھوں نے احیاء سنت کو اپنی حیات کا نصب العین بنایا۔ نہ صرف ان کی ذات گرامی خود سنتوں کی عملی تصویر تھی بلکہ وہ اس کے زبردست داعی مبلغ بھی تھے۔ خلاف سنت زندگی دیکھ کر ان کو تکلیف اور بے چینی ہوتی تھی اور یہ بے چینی ان کے قول وفعل سے ظاہر بھی ہوجاتی تھی۔ جو لوگ امر بالمعروف پر اکتفا کو کافی سمجھ لیتے تھے اس سے وہ مطمئن نہ ہوتے بلکہ نہی عن المنکر کو بھی وہ ضروری سمجھتے تھے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کو عام طور پر لوگ محی السنۃ کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے بلکہ اب یہ لقب آپ کے نام نامی کا ایک جزو بن چکا ہے جو آپ کی شخصیت کا صحیح عکاس ومصداق ہے۔

حضرت مولانا کی بزرگی، آپ کے علمی تبحر، آپ کا حضرت تھانویؒ سے تعلق اور ان سے آپ کی بابت اپنے زمانہ طالب علمی میں نہ صرف میں چرچا سنا کرتا تھا بلکہ آپ کے جذبۂ دعوۃ الحق واعلاء کلمۃ اللہ وسنت رسول ﷺ کے تذکرے اکثر وبیشتر علماء اور بزرگوں کی مجلسوں میں عام تھے۔ اسلئے آپ کی زیارت کی خواہش رہتی تھی، حضرت حکیم افہام اللہ صاحب مرحوم نہ صرف ایک حاذق حکیم تھے بلکہ بزرگوں سے ان کے تعلق کی وجہ سے اکثر بزرگان دین ان کے ہاں تشریف لاتے رہتے اور بعض حضرات کا قیام کئی کئی روز آپ کے دولت کدہ (انہونہ ہاؤس، علیگڑھ) میں رہتا۔ آپ کی قیام گاہ اہل اللہ اور بزرگوں کا گویا مرکز بنی رہتی تھی۔

یہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کا زمانہ تھا کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی پر ایک زبردست افتاد آن پڑی تھی اور یونیورسٹی کو اس کی فنا وبقا کا مسئلہ درپیش تھا۔ حکومت ہند اور اس کے حاشیہ بردار کچھ نام نہاد سیکولر مسلمان تحریک چلائے ہوئے تھے کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے لفظ ''مسلم'' نکال کر اس یونیورسٹی کو بھی دوسری یونیورسٹیوں کے طرز پر نیشنلائز کردیا جائے جیسے عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد کی امتیازی حیثیت ختم کردی گئی۔ اس مقصد کے پیش نظر یونیورسٹی میں ایک افسوس ناک واقعہ کو بہانا بنا کر حکومت ہند نے یونیورسٹی پر آرڈیننس جاری کرکے یہاں کے ایکٹ کو معطل کردیا تھا۔ مسلمانوں میں جو لوگ اس کی حمایت کررہے تھے ان میں اس وقت کے وزیر تعلیم عبدالکریم بھائی چھاگلا پیش پیش تھے۔ آرڈیننس لاگو کرنے کی وجوہ جو پارلیمنٹ میں دوران تقریر چھاگلا صاحب نے بیان فرمائیں وہ دو تھیں، اول یہ کہ یونیورسٹی اپنے گریجویٹ اور انجینئر تیار کرکے پاکستان کو سپلائی کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ ملک میں ہندو مسلم منافرت کو یہ یونیورسٹی فروغ دے رہی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہندو مقرر کروں گا اور لفظ ''مسلم'' کو یونیورسٹی سے نکال دوں گا تاکہ اس یونیورسٹی کو ایسے خطوط پر چلایا جاسکے جس سے یہاں 'اسلامی کٹرپن' ختم کرکے ایک 'صحت مند سیکولر' ماحول تیار ہوسکے۔ اس سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حکومت ہند اپنے ناپاک عزائم میں کس قدر پختہ تھی کہ مسلمانان ہند کی عظمت کے اس نشان کو بھی وہ فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہتی تھی۔ پورے ہندوستان میں مسلمان اس کے خلاف زبردست مہم چلائے ہوئے تھے، درجنوں مسلم کش فسادات ہوچکے تھے اور پورے ملک کے مسلمانوں کی بے چینی اپنے عروج پر تھی۔ ایسی صورت حال میں اچانک حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا علی میاںؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت شاہ وصی اللہؒ، حضرت مولانا ابرارالحق، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ وغیرہ کا رجوع علیگڑھ کی طرف بڑھا اور ان میں سے اکثروں نے بار بار یہاں کا سفر اختیار فرمایا اور بعض اوقات علیگڑھ میں ہفتوں قیام کیا۔ ان حضرات کے اس رجوع پر اس زمانہ کے اہل اللہ کو یہ کہتے سنا گیا کہ ان بزرگوں کا یہ رجوع منجانب اللہ ہے اور ان کی توجہات اور دعاؤں کی وجہ سے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نہ صرف اس فتنۂ عظیم سے انشاء اللہ محفوظ رہے گی بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بھی بنے گی۔ حالات اس بات کے شاہد ہیں کہ ان بزرگوں کی توجہات اور دعاؤں کا متوقع نتیجہ سامنے آیا اور یونیورسٹی اس فتنۂ عظیم سے محفوظ رہی۔ مجھے صحیح سال یاد نہیں لیکن یہی وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مولانا ابرارالحقؒ کی پہلی بار علیگڑھ میں زیارت ہوئی، گورا رنگ، چھریرا جسم، سر پر گول ٹوپی، نورانیت کا ایک پیکر، جو دیکھے مرعوب ہوجائے، سنتوں کی حد درجہ پابندی، جہاں جہاں اس دوران مجلسیں ہوئیں اکثر جگہوں پر حاضری کی

جنگوں میں یہ بات بڑے پیمانے پر تسلیم کرلی گئی ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اسکول جنہیں مدارس کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں پڑھنے والے زیادہ تر افراد غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، دراصل طلبہ کو دہشت گرد بناتے ہیں۔ گذشتہ سال سابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاویل نے مدارس کی یہ کہتے ہوئے مذمت کی تھی کہ یہ مدارس دہشت گردوں اور بنیاد پرستوں کو پروان چڑھانے کے اڈے ہیں۔ گذشتہ سال ہی امریکی وزیر دفاع ڈونالڈ رمسفیلڈ نے سوالیہ انداز میں ایک پر موقع کہا تھا:

''کیا ہم اتنے زیادہ دہشت گردوں کو گرفتار قتل یا ختم کر رہے ہیں جتنے زیادہ اہل مدارس اور انقلابی فکر رکھنے والے افراد انہیں ہمارے خلاف متحد اور تربیت دے رہے ہیں؟''

مضمون نگار ڈونالڈ رمسفیلڈ کے بیان پر طنز کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مدارس فنڈامنٹلزم کو پروان چڑھاتے ہیں۔ یہ دہشت گرد قرآن کو زبانی حفظ کرتے اور یاد کرتے ہیں۔ اس طرح کے اسکول نہ تو ٹیکنیکل تعلیم دیتے ہیں اور نہ ہی **Linguistic skills** پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو ایک تجربہ کار دہشت گرد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ بہر حال مدارس کے متعلق ایک بھی ایسا ثبوت نہیں ہے جو یہ ثابت کرتا ہو کہ یہ ایسے دہشت گردوں کو تربیت دے رہا ہے جو مغرب پر حملہ کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔''

امریکہ کو مشورہ دیتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:

''جہاں تک قومی تحفظ کا مسئلہ ہے تو امریکہ کو ان مسلم فنڈامنٹلسٹ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں جو اس سے اتفاق نہیں رکھتے البتہ ان دہشت گردوں سے ضرور ڈرنے کی ضرورت ہے جو امریکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔''

مضمون نگار نے اس موضوع پر باقاعدہ ریسرچ کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اس نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ حملہ کرتے ہیں ان کا بیک گراونڈ اور پس منظر کیا ہے؟ مضمون نگار لکھتا ہے:

''حال ہی میں مغرب کے خلاف کئے جانے والے بہت ہی بھیانک دہشت گردانہ حملوں میں تقریباً ۷۵ دہشت گردوں کی تعلیمی پس منظر کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ ان میں اکثریت یونیورسٹی کے فارغین کی ہے اس میں بھی بیشتر کا بیک گراونڈ ٹیکنکل تعلیم سے ہے جیسے انجینئرنگ۔'' اب مضمون نگار ایسے ۴ خودکش حملوں میں شامل افراد کا تعلیمی پس منظر تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''۴ حملے ایسے ہیں جن کے مرتکب افراد کے خلاف پوری تفصیلات موجود ہیں اور ان کا تعلیمی پس منظر بھی موجود ہے۔''

''۱۔ ۱۹۹۳ء میں امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر کیا جانے والا حملہ۔

۲۔ ۱۹۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانہ پر کیا جانے والا حملہ۔

۳۔ ۲۰۰۲ء میں ۱۱ ستمبر کا اور بالی میں کیا جانے والا حملہ۔''

''اس میں ۵۳ فیصدی ایسے دہشت گرد ہیں جن کے پاس باقاعدہ یونیورسٹی کی ڈگریاں ہیں یا یونیورسٹی سے کسی نہ کسی طرح ان کا تعلق رہا ہے۔ جو بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ۵۲ فیصدی امریکی یونیورسٹی جاتے ہیں۔ اور دہشت گردوں کا یونیورسٹی میں حصول تعلیم کا تناسب بھی یہی ہے اور وہ اسی طرح تعلیم حاصل کرتے ہیں جس طرح بہت سے امریکی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔''

اب مضمون نگار ہر حملہ میں شامل افراد کا بہت ہی گہرائی سے جائزہ لیتا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کرنے والوں میں ۱۲؍ افراد شامل تھے اور یہ تمام کے تمام یونیورسٹی کے فارغین تھے۔''

۹/۱۱ کا پائلٹ اسی طرح **Secondry Planner** تھا جیسا کہ ۹/۱۱ کمیشن نے پہچان کی ہے تمام نے مغربی یونیورسٹیوں کی خاک چھانی ہے کیونکہ شرق اوسط سے کسی کے لئے بھی مغربی یونیورسٹی میں تعلیم کا حصول بڑے ہی فخر و شرف کی بات ہے۔''

''محمد عطا جو ۹/۱۱ کا قائد تھا اس کے پاس جرمن یونیورسٹی کی ڈگری تھی۔ خالد شیخ محمد جو ۹/۱۱ کا **Operational Planner** تھا اس نے نارتھ کرولینا سے انجینئرنگ کیا تھا۔''

''ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ ۲۵؍ ہوائی جہاز کا اغوا کرنے والوں میں اور منصوبہ سازی کرنے والوں میں سے ایک تہائی نے یونیورسٹی میں حاضری دی تھی۔''

''تقریباً ۷۵ دہشت گردوں کے متعلق میں نے چھان بین کی جس میں صرف ۹؍ نے مدارس میں حاضری دی تھی اور یہ تمام صرف ایک حملہ میں شامل تھے اور وہ تھا ''بالی بم دھماکہ'' اور اس میں بھی تقریباً ۵؍ ماسٹر مائینڈ جنہوں نے بالی حملہ کی منصوبہ سازی کی یا تعاون کیا، یونیورسٹی کے فارغین تھے۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غربت کی وجہ سے دہشت گردی بڑھ رہی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:

''اس طرح کا تصور کہ غربت کی وجہ سے دہشت گردی پھیل رہی ہے، یہ ایسی فکر ہے اور ایسا خیال ہے جس کے متعلق گہرے مطالعہ نے اس حقیقت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔''

مدارس کی تعلیم اور اس میں پڑھائی جانے والی تعلیم دہشت اور نفرت کو بڑھاوا دیتی ہے، مدارس کے خلاف بہت سے الزامات میں سے ایک یہ بھی

ہے۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:

''یہ خیال کہ مدارس نئی نسل میں ایسے افکار و خیالات کو فروغ دے رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ نوجوان مغرب کے خلاف مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں حملہ کرتے ہیں جبکہ یونیورسٹی کے طلبہ ایسا نہیں کر پاتے۔ جیسا کہ بیشتر واقعات میں دیکھا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے مطالعہ میں دو ایسے دہشت گرد ہیں جن میں سے ایک کے پاس مغربی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تھی اور دوسرا پی ایچ ڈی کر رہا تھا۔''

مضمون کا یہ حصہ اگرچہ پاکستان کے مدارس سے متعلق ہے لیکن ہندوستان اور دیگر ملکوں میں مدارس کے متعلق جو شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں انہیں بھی ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہے۔

''ورلڈ بینک کے زیر نگرانی کی جانے والی رپورٹ میں جو اپریل میں شائع ہوئی ہے پاکستان میں مدارس کے بڑھتے ہوئے اثرات پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے کہ یہاں ایسے اسکول ہیں جن میں امریکی مخالف جذبات اور احساسات کو فروغ دیا جاتا ہے۔''

''۹/۱۱ کمیشن کی رپورٹ میں جو اعداد و شمار بتائے گئے ہیں اور جس میں مختلف اخبارات کی رپورٹ سے حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ پاکستان میں تقریباً ۱۰ فیصد ہی ایسے طلبا ہیں جو مدارس میں پڑھنے کے لئے جاتے ہیں۔ رپورٹ تیار کرنے والے کالم نویس کا خیال ہے کہ اس میں ایک فی صد سے بھی کم طلبہ ایسا کرتے ہیں۔''

مسلمانوں میں اور مسلم ملکوں میں مدارس کا ایک اہم رول رہا ہے۔ خصوصاً بنیادی تعلیم کو فروغ دینے کے شعبہ میں مدارس اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ مسلمانوں میں بنیادی تعلیم کے فروغ میں مدارس کی کتنی حصہ داری ہے اور مسلمانوں کو بنیادی تعلیم کہاں سے ملتی ہے تو اس سلسلے میں مدارس کا رول کافی نمایاں ہے۔ مدارس نے مسلمانوں میں بنیادی تعلیم کے فروغ و اشاعت میں اہم رول انجام دیا ہے۔ ہندوستان اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔

اس موضوع پر کالم نگار لکھتا ہے کہ مدارس امریکہ کے لئے کبھی خطرہ نہیں ہو سکتے وہ لکھتا ہے:

''مسلمانوں میں اور مسلم ملکوں میں تعلیم کو فروغ دینے اور مسلمانوں کو ترقی دینے میں مدارس بہت بڑا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور یہ ایک اہم موضوع ہے یہ مدارس امریکہ کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں اور امریکہ کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ یہ مدارس ملک کے لئے خطرہ ہیں۔''

''ہر سال امریکہ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ، اور ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ وغیرہ کے تعاون سے اربوں ڈالر شرق اوسط اور جنوبی ایشیا میں تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس کو وہاں خرچ کرے جہاں اس پیسے کی ضرورت ہے دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے نہیں جس کا مقصد کبھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

Mob.: 9415101318
2391520

STAAR

EYE CARE &
SURGICAL CENTRE

ڈاکٹر محمد اطہر
ایم بی بی ایس (آفتھلمولوجی)
آئی سرجن اسپیشلسٹ

فیلوشپ اروند آئی انسٹیٹیوٹ مدورائی
آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی
ایل وی پرشاد انسٹیٹیوٹ حیدرآباد

گھر کا پتہ: 3/254 A وپل کھنڈ (اسکالر ہوم اسکول کے پیچھے) گومتی نگر، لکھنؤ

ممبئی کی
مشہور و معروف
مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص بیٹھک۔
و دیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

لذیذ مٹھائیوں کے لئے
طہورا سوئیٹس ®

بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
☎ ۲۳۰۹۱۳۱۸ ـ ۲۳۰۸۲۷۷۳

اخبار وافکار

شیخ احمد یٰسین شہید کی رہائش گاہ کو یادگاری میوزیم بنانے کا منصوبہ:

فلسطین کی اسلامی مزاحمتی تحریک ''حماس'' نے اپنے قائد اور روحانی پیشوا شیخ احمد یٰسین شہیدؒ کی رہائش گاہ کو میوزیم میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

تحریک کے ذرائع کے مطابق اس تجویز کا مقصد شیخ یٰسینؒ کی سیرت سے گہری واقفیت پیدا کرنا اور ان کی یادگار کو باقی رکھنا ہے، تاکہ آنے والے فلسطینی نسل کے ذہنوں میں تازہ رہے کہ شیخ کی شہادت اسرائیل کا کتنا سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے۔

پانچ کمروں پر مشتمل اس رہائش گاہ میں شیخ کے وہ تمام متعلقات ہیں جو شہادت کے وقت ان کی تحویل میں تھے، ان کا ذاتی کمپیوٹر سسٹم ان کے خطوط ورسائل، اور مختلف وفود کی جانب سے آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے تحائف بھی آپ کی رہائش گاہ میں موجود ہیں، میوزیم میں شیخ کی سیاسی تقریروں اور دینی دروس کے آڈیو کیسٹوں کا ایک گوشہ بھی قائم کیا جائے گا۔

اسرائیل کے نصاب درس میں اسلام کو یہودیت کا چربہ بتایا گیا ہے:

ڈاکٹر علی ختی سکریٹری برائے وزارت تحقیقات کی سرپرستی میں سعودی وزارت تعلیم نے اسرائیل کے نصاب درس کا جائزہ لیا، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نصاب درس میں اسلام کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے، اسلام کے پانچوں ارکان اور سرور دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابدی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور ان کے نزدیک اسلام کے جو مثبت اور خوش آئند پہلو ہیں انھیں یہودیت سے منسوب کیا گیا ہے، اور یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں شام کا تجارتی سفر فرماتے تھے تمہ میں بعض یہودی پیشواؤں کے یہاں جایا کرتے تھے، ان کے حسن سلوک اور ان کے مذہب (یہودیت) سے متاثر ہوکر انھوں نے ایک نیا دین ایجاد کرلیا، اور نمونہ کے طور پر اسلام کے ارکان کو یہودیوں کے مذہبی اعمال سے مربوط کیا گیا ہے مثلاً یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں رمضان کے روزہ کا تصور ان کے نزدیک ''یوم الغفران'' کے روزہ سے آیا ہے۔

نصاب درس کے مطابق اسلام اور تشدد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

نصاب کی بعض کتابوں میں یہ بات بھی پورے وثوق کے ساتھ لکھی گئی ہے کہ اسلامی فتوحات دراصل جائداد واملاک پر ناجائز قبضہ کی کارروائیوں کا حصہ ہیں اور ان کے ذریعہ عربوں کے فطری جذبۂ جنگ کی تسکین ہوتی ہے۔

ملیشیا میں حلال غذاؤں کی فراہمی کے لئے سینٹر قائم کرنے کی تجویز:

ملیشیا کو حلال غذاؤں کی فراہمی کا عالمی مرکز بنانے کے لئے جنگی پیمانہ پر کوششیں جاری ہیں جہاں کی مصنوعات میں اسلامی احکام کے مطابق حرام اجزاء شامل نہیں ہوں گے۔

اس سینٹر کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے تین سیکٹر قائم کئے جائیں گے، (۱) شعبۂ زراعت: جس میں میوہ جات، سبزیوں، مچھلیوں اور مویشیوں پر تحقیقات کی جائیں گی، (۲) شعبۂ بایولوجی (Biology) جس میں جڑی بوٹیوں سے تیار ہونے والی دواؤں اور دوسرے صحت افزاء مصنوعات کا جائزہ لیا جائے گا، (۳) شعبۂ مواصلات: اس شعبہ کے ذریعہ اس سینٹر کو فروغ دینے کا اہتمام کیا جائے گا، ان تینوں شعبوں کی مجموعی کوششوں سے ملیشیا کا یہ خواب یقیناً شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے کہ وہ حلال ماکولات کا عالمی مرکز بن جائے اس ضمن میں یہ منصوبہ بھی شامل ہے کہ ملیشیا میں درآمدات وبرآمدات کا نظام خوب سے خوب تر بنایا جائے اسی طرح الیکٹرک اور الیکٹرانک شعبے کو ترقی دی جائے۔

(بشکریہ العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ) (مترجم: محمد اعظم ندوی)

حضرت مولانا عبدالله عباس صاحب ندوی علیل

دعائے صحت کی درخواست

معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی گزشتہ چند دنوں سے علیل ہیں، ادھر اطلاعات کے مطابق الحمدللہ فی الحال افاقہ ہے۔ ادارہ اپنے مربی وسرپرست کی کامل صحت یابی اور شفاء کے لئے رب ذوالجلال کے حضور دعا گو ہے۔ قارئین کرام سے بھی دعاء صحت کی درخواست ہے۔

حضرت ناظم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لاء بورڈ کا سفر بمبئی

عروس البلاد میں دینی ودعوتی اورادبی وثقافتی مجلسیں

ماہ جون کے آخری عشرہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا پونا بمبئی کا ایک دعوتی واصلاحی سفر ہوا اس سفر میں حضرت والا سے متعدد شرفاء وسربرآوردہ حضرات، سیاسی لیڈران تعلیم وتربیت نیز دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی ملاقاتیں رہیں، اور مختلف دعوتی وتربیتی پروگراموں میں شرکت ہوئی، اس دورہ کی تفصیل اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

۲۶ر جون کو زندہ دلان ممبئی کی دعوت پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضہم نے شہر ممبئی کا ایک دعوتی واصلاحی دورہ کیا، ممبئی میں اپنے دوروزہ قیام کے دوران حضرت ناظم صاحب نے تعلیمی وتربیتی میدان میں کام کرنے والوں سے ملاقاتیں کیں، اور نہایت مؤثر وفکر انگیز گفتگو فرمائی، مسلمانوں میں موجود تعلیمی پسماندگی، جہالت وناخواندگی دور کرنے تہذیب وثقافت، اور علم وعمل کی دولت سے انہیں مالامال کرنے کی تدابیر بتلائیں، اور نہایت مفید مشوروں سے نوازا، مولانا محترم نے فرمایا کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ حسن سلوک، انس ومحبت، ہمدردی وغم گساری، عفو ودرگذر، مساوات وبھائی چارگی کی فضاء قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کے مذہب کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ معاشرہ سے منکرات ومعاصی اور برائیوں کو ختم کیا جائے، وہ دنیا کے لئے باعث رحمت ہے، وہی وہ تنہا قوم ہے جو دین ودنیا دونوں کی جامع ہے، اس کے پاس ایک ایسا خدائی نظام ہے جس میں ذرا بھی کجی اور زیادتی نہیں، اور دین اسلام ایک کامل ترین نظام ہے''

مولانا مدظلہ العالی نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''بچپن ہی میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دینی چاہئے، اس لئے کہ درحقیقت ایام طفولیت ہی بچہ کی مناسب ومفید تعلیم وتربیت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت بچہ کا ذہن نہایت صاف وشفاف، اور دنیاوی فکروں سے یکسر پاک ہوتا ہے، اس میں دوسروں کی نقالی اور اخذ کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، بچوں کی تعلیم وتربیت کے تین مراحل ہوتے ہیں، پہلا مرحلہ گھر اور ماں کی گود ہے، جہاں وہ والدین کی نقالی کرتا، اور انھیں کے اخلاق وعادات اور طرز معاشرت کی روشنی میں اپنی زندگی کی تعمیر وتشکیل کرتا ہے، بچہ کی تعلیم وتربیت میں ماں کی شخصیت اہم کردار ادا کرتی ہے، تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ماؤں نے اس میدان میں نہایت روشن وتابناک کردار ادا کیا ہے، کسی بھی عظیم وعبقری شخصیت کی زندگی کے ان پہلوؤں کا اگر آپ جائزہ لیں جن کی بنیاد پر وہ شخصیت عظیم کہلانے کی مستحق ہوئی ہے، یا جن اسباب ومحرکات کے وجہ سے وہ شہرت وکمال کی بلندیوں تک پہنچی ہے، تو وہاں آپ ماں کی شخصیت وکردار کو کارفرما دیکھیں گے، یہ بلند ہمت وحوصلہ مند ماؤں ہی کی تربیت وکردار سازی کا نتیجہ ہے جس نے امت مسلمہ کو ایسے ایسے گوہر نایاب اور یکتائے روزگار عطا کئے ہیں، ان عظیم شخصیتوں نے خود بھی ماؤں کے اس احسان عظیم کا اعتراف کیا ہے، ثبوت کے لئے سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التصویر الفنی'' کا مقدمہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کی تحریریں کافی ہیں۔

دوسرا مرحلہ مدرسہ کی زندگی ہے، جہاں بچہ کی ذہنی وفکری وعملی زندگی تشکیل پاتی ہے، اس مرحلہ میں وہ اپنے اساتذہ اور مربیوں کے اخلاق وعادات، اور ان کے افکار وآراء سے استفادہ کرتا ہے، اس کی زندگی کی تشکیل اور شخصیت سازی میں یہ دوسرا مرحلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

تیسرا مرحلہ عام ماحول ہے، اس کے بہت سے پہلو ہیں، اس میں بڑا اہم کردار صحافت کے میدان کا ہے، موجودہ زمانہ میں صحافت نے کافی ترقی کرلی ہے، اور اس کا اثر ورسوخ خاصا بڑھ چکا ہے، انسانی زندگی کی تشکیل وتعمیر میں صحافت بھی غیر معمولی طور پر اثر انداز ہورہی ہے، چنانچہ ہمیں تعلیمی میدان میں جدید اسباب ووسائل سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے، اور بامقصد ومفید رسائل واخبارات اور ٹی وی (T.V.) پروگرام شروع کرنے چاہئیں۔

ساری گفتگو حضرت مولانا نے ''رہنمائے والدین'' پرچہ کے رسم اجراء اور اس کی افتتاحی تقریب میں فرمائی، آپ نے اسے صحافت کے میدان میں اٹھایا گیا ایک تعمیری ومثبت قدم قرار دیا، اس کے اجراء پر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا رہنمائے والدین خیر امت تنظیم کے تحت نکل رہا ہے، خیر امت ادارہ کی نگرانی میں مختلف تعلیمی وتربیتی پروگرام اور

آتی رہے۔

فرمایا: بس یہ خیال رکھنا کہ کہیں لوگوں کے عیوب کی چھان بین تم کو اپنے عیبوں پر نظر ڈالنے سے غافل نہ کر دے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دوسروں پر نگراں مقرر نہیں کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ "حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ شخص ہے جو سب سے عقل مند ہو اور عقل مندی یہ ہے کہ جب اس کو حق بات بتائی جائے تو وہ اس کو فوراً قبول کر لے خواہ حق بات کہنے والا مرتبہ اور حیثیت میں اس سے کتنا ہی کم تر ہو، دوسرے اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس کا اعتراف کرنے میں مطلق نہ چوکے۔ تیسرے یہ کہ اگر کوئی شخص اس سے کوئی بات کرے تو وہ اس کو پوری توجہ اور غور کے ساتھ سنے اگرچہ وہ اس بات کو پہلے سے جانتا ہو۔

بروں کے حق میں دعائے خیر:

ایک دن حضرت معروف کرخیؒ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، کچھ ارادت مند بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اسی دوران چند اوباش نوجوان ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے گاتے بجاتے اور شراب پیتے سامنے سے گزرے۔ ان کی ہلڑ بازی اور طوفان بدتمیزی کو دیکھ کر حضرت کرخیؒ کے ساتھیوں نے کہا:

"حضرت ملاحظہ فرمائیے۔ یہ لوگ خوف خدا سے کس قدر عاری ہیں کہ اس طرح کھلم کھلا خرمستیوں میں مشغول ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ان سب کو غرق کر دے۔"

حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا:

"اچھا آؤ، سب مل کر دعا کریں۔"

جب سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو حضرت معروف کرخیؒ نے دعا کی:

"اے الٰہ العالمین! تو نے لوگوں کو جیسا عیش و سرور دنیا میں عطا کیا ہے۔ آخرت میں بھی ان کو ایسا ہی عیش و سرور عنایت فرما۔"

حضرت کرخیؒ کے ساتھیوں نے فرط حیرت سے عرض کیا۔ "حضرت ہم نے تو آپ سے عرض کیا تھا کہ ان بدبختوں کے لئے بددعا کیجئے، لیکن آپ اس کے برعکس ان کے لئے دعائے خیر کر رہے ہیں۔"

آپؒ نے فرمایا:

"حق تعالیٰ جب ان کو آخرت میں عیش و راحت عطا فرمائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو دنیا میں توبہ کی توفیق دے کر ان کے گناہ معاف کر دے گا، اس سے ان کا بھلا ہو جائے گا، اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔"

ماں کی دعا کو فیضان:

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ماں کی خدمت سے بڑھ کر کسی شے سے فیض نہیں پایا۔ ایک رات والدہ مرحومہ نے مجھ سے پانی مانگا۔ میں نے کوزے میں دیکھا تو وہ خالی تھا۔ پھر صراحی دیکھی تو اس میں بھی پانی نہ ملا۔ چنانچہ میں دوڑتا ہوا قریب کے دریا پر گیا اور وہاں سے پانی لایا۔ اس اثناء میں والدہ سو گئی تھیں۔ میں پانی کا کوزہ ہاتھ میں لئے ہوئے ساری رات اس انتظار میں کھڑا رہا کہ وہ بیدار ہوں تو ان کی خدمت میں پانی پیش کروں۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ میرا ہاتھ ٹھٹھر گیا۔ لیکن میں نے والدہ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

جب وہ نیند سے بیدار ہوئیں تو مجھے اس حالت میں کھڑا دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور پھر پانی کو پی کر مجھ کو بے شمار دعائیں دیں۔ اسی دن سے میں نے دیکھا کہ میرا قلب انوار الٰہی سے معمور ہو گیا۔"

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد
اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

□ برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا

□ برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، نئی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)

□ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

□ غریب اور نادار و مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466, 2642715

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: جادۂ فکر وعمل

ناشر: مکتبہ سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ، رائے بریلی، (یوپی)

تبصرہ نگار: امین شجاع

"جادۂ فکر وعمل" جناب مولانا محمد الحسنی صاحب مرحوم کے منتخب اداریوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً تعمیر حیات کی صفحات کی زینت بنتے رہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض اعتبار سے وہ اداریے ہی شمارہ کی جان اور روح ثابت ہوا کرتے نیز حاصل شمارہ جاتے۔ اس امتیازی خصوصیت کی وجوہات یہ تھیں کہ مولانائے مرحوم کو اپنے خالق حقیقی کی جانب سے تفکر اور قلم کی روانی کی دولت ودیعت ہوئی تھی۔ مرحوم کو اس کے ساتھ اور بھی سعادتیں میسر آئیں مگر صرف صلاحیتوں کا حامل ہونا کافی نہیں ہوا کرتا بلکہ ان صلاحیتوں کے اجاگر ہونے اور ملک وملت کے لئے ان کے مفید ثابت ہونے کے لئے میدان عمل کا میسر آنا بھی ضروری ہوا کرتا ہے، مولانائے مرحوم کو البعث الاسلامی اور اردو میں تعمیر حیات کا میدان عمل ملا اور اس طرح ان کو اپنی خداداد صلاحیتوں کے اظہار اور ان کی جولانیوں کو منظر عام پر لانے کے مواقع ہاتھ آئے۔ واقعہ یہ تھا کہ ان کو قلم کی طاقت اللہ رب العزت کی جانب سے ایک عطاؤ بخشش تھی۔ اس بیج کے برگ وبار لانے کے لئے موزوں آب وہوا بھی قدرت نے انہیں عطا فرمائی اس پودے کے تناور درخت بننے اور اس کی گھنیری چھاؤں سے عامۃ المسلمین کے نفع اٹھانے کے لئے بھی ضروری تھا کہ اس ننھے پودے کی نگہبانی کے لئے کوئی ایسا باغباں بھی میسر آتا جو اپنے چمن کے ہر پودے کے برگ وبار لانے کے لئے درد وکڑھن رکھتا ہو اور بذات خود اس میدان عمل کا مرد میدان بھی ہو، منعم حقیقی نے مرحوم کو اس نعمت سے بھی سرفراز کیا اور انہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جیسی عظیم شخصیت کی سرپرستی نصیب ہوئی جو خود نہ صرف صاحب قلم تھے بلکہ صاحب دل بھی تھے جس کے باعث مدیر مرحوم کو حضرت مفکر اسلامؒ کی توجہات نصیب ہوئیں غالباً یہی وجہ ہے کہ بانی مدیر کی تحریر میں نہ صرف قلم کی روانی دیکھنے کو ملتی ہے بلکہ ان خصوصیات کے ساتھ سوز دل اور جذب دروں کی کیفیات بھی ان کے قاری کو ان کا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔

ایک دینی ودعوتی اور ادبی نوعیت کے رسالہ کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے اس کا جواب "جادۂ فکر وعمل" کے صفحات سے مل سکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس نوعیت کا ایک معیاری رسالہ امت مسلمہ میں نہ صرف اپنے روشن ماضی کی بازیافت کا جذبہ وداعیہ بیدار کرتا ہے، بلکہ رفتار زمانہ پر بھی اس کی بھرپور نگاہ ہوتی ہے، اس کے علاوہ وہ روشن مستقبل کی نہ صرف امید دلاتا ہے بلکہ اس کی راہیں بجھاتا اور تدبیریں بتاتا ہے، وہ صرف ماضی کے فسانے نہیں سناتا اور نہ حال کا مرثیہ پڑھتا ہے بلکہ اقبال کے لفظوں میں اپنے قارئین کو اس روح سے آشنا بھی کرتا رہتا ہے کہ

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

اور

وائے ناکامی تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدیر مرحوم کے اداریے آج بھی اپنی تازگی وشادابی برقرار رکھے ہوئے ہیں، ان میں جدت بھی ہے اور ندرت بھی، ان سے فکر کے وہ سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں، جن سے سوتوں کو جگانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ قلم کی روانی اور طبیعت کی جولانی تو قدرت بہتوں کو عطا کرتی ہے لیکن سوز دروں، درد وتڑپ اور جگر کاوی کی دولت سب کو نصیب نہیں ہوتی، مدیر مرحوم کے اداریوں کی برسوں بعد بھی تازگی وشادابی کے برقرار رہنے کی وجہ مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کا امتزاج ہے جس نے تحریروں کو ساز کے ساتھ سوز سے آشنا کر دیا ہے، ان کے اداریوں میں فکر کی سلامت روی اس لئے بھی ہے کہ ان میں مرحوم نے کتاب وسنت کی پھولوں کی خوشبو کو سمو دیا ہے اور اس طرح حالات حاضرہ سے ان کی تطبیق اور ان سے اپنے اداریوں میں رہنمائی کا کام لے کر انہیں حیات جاوداں بخش دی ہے۔ اس طرح ان کے اداریوں میں گلوں کی مہک بھی ہے اور کانٹوں کی چبھن بھی۔

وہ مدیر ہی کیا کہ وقت کی رفتار پر جس کی نگاہ اور زمانہ کی نبض پر جس کی انگلیاں نہ ہوں چنانچہ جادۂ فکر وعمل میں بھی تعمیر حیات کے بانی مدیر کے اداریے ان کی بیدار مغزی کا ثبوت دیتے دکھائی دیتے ہیں گویا ہمہ وقت قوم وملت کو خبردار وہوشیار کرنے کا فریضہ ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ علاوہ ازیں، ان کا دائرہ فکر جغرافیائی حدود کا پابند بھی دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ آفاقی پیغام کے حامل اس قلم کار کی فکر بھی آفاقی ہے چنانچہ عالم اسلام کی جہاں کہیں بھی ڈور الجھتی دکھائی دیتی ہے یہ بیدار مغز مدیر اس پر خبردار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کسی مدیر کے لئے ایک بنیادی خصوصیت جرأت اور حق گوئی وبے باکی ہے۔ چنانچہ ان کا قلم گہر بار محض گل افشانیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ ضرورت پڑنے پر اس سے شمشیر برہنہ کا بھی کام لیتا ہے جو جواں مردوں کا آئین رہا ہے۔

جناب مولانا محمد الحسنی مرحوم قدرت کی طرف سے عمر کی جتنی مہلت لائے تھے اس کی بہاریں دیکھ کر وہ اپنے منعم مولیٰ کی طرف لوٹ گئے کاش کہ ان کی عمر نے اور وفا کی ہوتی لیکن مرضی مولا ہمہ از اولیٰ اس لحاظ سے تعمیر حیات کی ان کی ادارت کا دور اگرچہ زیادہ طویل نہیں رہا لیکن اتنی تھوڑی ہی مدت میں وہ اپنے بعد کے آنے والوں کے لئے رہ گذر میں قندیلیں روشن کر گئے اور وہ رہنما خطوط بتا گئے جو مشعل راہ کا کام کرتے رہیں گے۔

قابل مبارکباد ولائق تحسین وآفریں ہے سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات تکیہ رائے بریلی کہ اس نے تعمیر حیات کے بانی مدیر کے منتخب اداریوں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس صورت میں ان اداریوں سے استفادہ کو آسان بنا دیا نیز اس کتاب کے ذریعہ فکر اسلامی کے حامل رسائل کے مدیران محترم کے لئے بھی اداریوں کے معیار ومزاج کا ایک پیمانہ سامنے آ گیا۔

سوال وجواب

مفتی محمد طارق ندوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

س: بعض ناخواندہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ وضو کرنے کے بعد اگر بچہ کو دودھ پلایا جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے وضو کے بعد دودھ نہیں پلاتی ہیں کیا ان کا یہ خیال درست ہے؟

ج: بچہ کو دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ دودھ پاک چیز ہے وضو اس صورت میں ٹوٹتا ہے جب کہ بدن سے کوئی ناپاک چیز نکلے بلکہ بہتر وہی ہے کہ وضو کے بعد ہی دودھ پلایا جائے تاکہ بچہ پر اچھا اثر پڑے۔

س: ایک شخص اپنی چچازاد بہن کی بیٹی یعنی چچا زاد بھانجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے جب کہ کچھ لوگ طعن وتشنیع کررہے ہیں؟

ج: چچازاد بہن سے بھی نکاح حلال ہے اور چچازاد بہن کی لڑکی سے بھی جائز ہے قرآن کی آیت ہے "أُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ" لوگوں کی طعن و تشنیع کا کوئی اثر نہ لینا چاہئے۔

س: مسجد کی تعمیر کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے مسجد کا گرانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: تعمیر نہ کرنے کی صورت میں اگر منہدم ہوجانے کا خوف ہو تو تعمیر کے لئے گرانے کی اجازت ہے۔

س: اگر مسجد چھوٹی ہے اور اہل محلہ کے لئے وہ مسجد تنگ ہے نیز لوگوں میں توسیع کرنے کی گنجائش نہیں ہے اگر پڑوسی یہ چاہے کہ مسجد کو اپنے گھر میں شامل کرکے دوسری بڑی جگہ مسجد کے لئے اہل محلہ کو دے دے تو اہل محلہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز نہیں ہے۔

س: کچھ لوگ مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ کو چوم لیتے ہیں یا سینے پر رکھتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

ج: مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا یا سینے پر رکھنے کی شریعت میں کوئی سند نہیں ہے لہٰذا ایسا نہ کرنا چاہئے۔

س: بعض لوگ جائے نماز پر نماز پڑھنے کے بعد کونہ موڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کونہ نہ موڑا جائے گا تو شیطان پڑھے گا یہ عقیدہ کیسا ہے؟

ج: اس طرح کے رواج کی کوئی حقیقت نہیں، یہ عقیدہ جہالت کا نتیجہ ہے۔

س: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمہیں میری قسم یہ کام نہ کرنا تو اب کیا یہ قسم شرعی اعتبار سے مانی جائے گی اور اگر کام کرلیا تو کیا ضمانت ہوگی؟

ج: کسی دوسرے کی قسم دلانے سے قسم نہیں ہوئی اور جس کو قسم دلائی گئی ہے اس نے کام کرلیا تو ضمانت نہیں ہوگی۔

س: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شب برات کے دن مردوں کی روح گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ ہمارے لئے کچھ پکایا گیا ہے یا نہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

ج: یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

س: کیا غیر مسلموں سے کھانے پینے کی چیزیں یا قرض لینا جائز ہے؟

ج: جی ہاں غیر مسلموں سے کھانے پینے کی حلال چیزیں اور قرض لینا جائز ہے۔

س: کسی بلڈنگ یا کسی چیز کی تعمیر کے لئے جس میں نفع ونقصان دونوں کا اندیشہ ہو ٹھیکہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس طرح کا ٹھیکہ لینا جائز ہے۔

س: ہم لوگ سبزیوں کا کاروبار کرتے ہیں اور سبزیوں پر پانی ڈالا جاتا ہے بعض سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جو بہت پانی پیتی ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج: کچھ سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جن پر پانی ڈالنا ضروری ہوتا ہے لیکن صرف وزن بڑھانے کے لئے پانی چھڑکنا جائز نہیں ہے۔

س: میں آفیسر ہوں میں لوگوں کا کام کرتا ہوں جس کی وجہ سے لوگ مجھے کچھ دینا چاہتے ہیں حالانکہ میری ڈیوٹی کی تنخواہ سرکار خود دیتی ہے تو کیا میں لوگوں سے وہ پیسہ وغیرہ لے سکتا ہوں حالانکہ میں لوگوں سے پیسہ وغیرہ مانگتا نہیں ہوں بلکہ وہ خوش ہوکر دیتے ہیں؟

ج: اگر دوستی وتعلق کی وجہ سے ہدیہ دیتے ہیں اور ان کا اس محکمہ سے کوئی کام متعلق ہونے کا امکان بھی نہیں ہے تو یہ ہدیہ رشوت نہیں ورنہ رشوت ہے اس نیت سے لینا جائز نہیں ہے۔

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز
چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے
Auto Refrector Meter AR-860
فوٹو کرامک ☆ کونٹیکٹ لینس ☆ ہائی انڈیکس ☆ بریڈ لینس
فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپٹیشین: اے رحمان (ملک)
۲۱۲ معتبر گنج، اعظم گڑھ فون 222008

الٰہی یہ فصل بہار پھر پیدا کر

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی (ابوظبی)

حضرت عمرؓ اپنے گورنر کا حال سن کر رونے لگے:

حضرت سعید بن عامرؓ حمص کے گورنر تھے، لیکن جو کچھ مشاہرہ ان کو ملتا تھا وہ پورے کا پورا محتاجوں میں تقسیم کردیتے تھے، اور خود نہایت فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ حمص ایک دورے پر آئے اور سرکاری اہل کاروں کو حکم دیا کہ یہاں کے فقیروں اور محتاجوں کی ایک فہرست بنائی جائے، چنانچہ یہ فہرست بنا کر ان کی خدمت میں پیش کی گئی، اس میں حضرت سعید بن عامرؓ کا نام دیکھ کر حضرت عمرؓ چونک پڑے۔

"یہ سعید بن عامر کون ہیں؟" حضرت عمرؓ نے فرط حیرت سے پوچھا۔

"وہی جو ہمارے گورنر ہیں" لوگوں نے جواب دیا۔

"آخر تمہارا گورنر کیسے محتاج ہوسکتا ہے؟" خلیفۂ وقت نے مزید غرق حیرت ہوکر استفسار کیا" وہ اپنی ماہانہ تنخواہ ملتے ہی اس کو پورا کا پورا محتاجوں اور ضرورتمندوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔" لوگوں نے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر کا حال سنا تو رونے لگے، اور پھر ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی ان کے پاس بھجوائی۔

جب سعید بن عامرؓ نے اشرفیوں سے بھری یہ تھیلی دیکھی تو بے ساختہ اناللہ پڑھنے لگے۔ "ارے آپ کیوں اتنا پریشان ہوگئے؟ کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے۔" بیوی نے پوچھا۔

فرمانے لگے:

"بلکہ اس سے بھی بڑا واقعہ پیش آگیا۔ وہ یہ کہ دنیا میرے پاس آئی۔ فتنہ میرے پاس آیا۔"

"ارے اس میں کیا حرج ہے؟ اپنے خرچ میں استعمال کریجئے۔" بیوی نے کہا۔

لیکن حضرت سعید بن عامرؓ نے ان تمام اشرفیوں کو اٹھا کر ایک بڑے ڈبہ میں رکھ دیا اور صبح ہوتے ہی تمام اشرفیاں حاجت مندوں میں بانٹ دیں۔

بیوی یہ دیکھ کر بولی "ارے اس میں سے کچھ تو اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیتے۔"

فرمایا: میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "اگر جنت کی ایک حور بھی دنیا میں آجائے تو پورا کرۂ ارض مشک کی خوشبو سے معطر ہوجائے۔ میں اس پر کسی مال ودولت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔"

ایک نصرانی راہب کے ایمان لانے کا واقعہ:

حضرت ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جارہا تھا، راستہ میں ایک نصرانی راہب مجھے ملا، جس کی کمر میں زنار بندھا ہوا تھا۔ اس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں) میں نے اس کو ساتھ لے لیا۔ سات دن تک ہم لوگ ساتھ چلتے رہے۔ نہ کھانا نہ پینا۔ ساتویں دن اس نصرانی نے کہا: اے محمدی کچھ اپنی فتوحات دکھاؤ کہ پورے ایک ہفتہ سے کچھ کھانا پینا نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی کہ یا اللہ اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما۔ میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان سامنے رکھا گیا جس میں روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور تروتازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے کھایا پیا اور روانہ ہوگئے۔

ہم دونوں سات دن تک پھر بغیر کھائے پئے چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی دوبارہ مجھ سے فرمائش کر بیٹھے) جلدی کرکے اس راہب سے کہا کہ اب اس بار تم بھی کچھ کر دکھاؤ۔ وہ اپنے عصا پر سہارا لگا کر کھڑا ہوگیا اور دعا کرنے لگا۔ اتنے میں دو خوان سامنے آگئے۔ جن میں ہر چیز دوگنی تھی جو میرے خوان پر تھی۔ فرط غیرت سے میرا چہرہ فق ہوگیا اور میں حیرت زدہ رہ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے شدت غم کے باعث کھانے سے انکار کردیا۔ اس نصرانی کے پیہم اصرار کے باوجود میں عذر ہی کرتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا کہ تم پہلے کھانا کھاؤ پھر میں تم کو دو بشارتیں سناؤں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ اس نے پہلی بشارت یہ سنائی کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اشہدان لاالٰہ الا اللہ واشہدان محمداً عبدہ ورسولہ اور یہ کہہ کر زنار کو توڑ کر پھینک دیا۔ پھر وہ بولا کہ دوسری بشارت یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کے لئے دعا کی تھی وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ! اس محمدی کا تیرے یہاں اگر کوئی مرتبہ ہے تو اس کے طفیل تو ہمیں کھانا دے۔ اس دعا پر یہ کھانا ملا ہے اور اسی وجہ سے میں مسلمان ہوا۔

اس کے بعد ہم دونوں آگے چل دیئے اور بالآخر مکہ مکرمہ پہونچ کر حج ادا کیا۔ وہ نو مسلم مکہ ہی میں ٹھہر گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

قیمتی وصیتیں:

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی وصیت کیجئے جو ہمیشہ میرے کام

فلاحی و امدادی اسکیمیں چلا رہی ہیں، رسم اجراء کی اس افتتاحی تقریب میں ملک کے ممتاز اساتذہ واسکالرس، سیاسی لیڈران، دانشوران قوم وملت اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات نے شرکت کی۔

۲۷رجون کو ایک ادبی نشست زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ منعقد ہوئی، اس نشست میں جناب انیس چشتی صاحب، مدیر الرائد وصدر شعبہ ادب عربی جناب مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی اور ان کے علاوہ متعدد ادباء وشعراء نے شرکت کی۔

نشست کے آغاز میں جناب انیس چشتی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا تعارف کرایا اور ادب اسلامی کے فروغ وارتقاء میں مولانا کی خدمات پر اجمالاً روشنی ڈالی، انہوں نے کہا کہ "اسلامی ادب کے فروغ وترقی میں حضرت مولانا موصوف نے نہایت بیش قیمت، قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں"۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں رابطہ ادب اسلامی کی تاریخ کا جائزہ لیا اور ثقافتی وفکری یلغار کے مقابلہ میں ادب اسلامی کے رول کو واضح کیا، مغربی ادباء ومفکرین نیز مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو شکوک وشبہات پھیلائے ہیں ان پر روشنی ڈالی۔

حضرت مولانا نے ادب کے جدید رجحانات کا تذکرہ کرتے ہوئے مغربی ادب کے مفاسد ومضرات پر روشنی ڈالی، مولانا نے فرمایا کہ "یوروپی لٹریچر تعمیر واصلاح کے بجائے تخریب وافساد کا کام کرتا ہے، اسے نہ اخلاقی روایات واقدار کا پاس ولحاظ ہے اور نہ ہی انسانی شرافت ومروت کا، اس سے انسان کے اندرون میں شہوانی جذبات وحیوانی خواہشات ابھرتی ہیں، اس کے برخلاف اسلامی ادب انسانی اقدار وروایات کا بھرپور خیال رکھتا ہے، اور انسانیت کی تعمیر وتشکیل میں نہایت مؤثر اور کلیدی کردار ادا کرتا ہے، مولانا ممدوح نے فرمایا کہ ادب اسلامی کا مقصد ہی انسانیت کو اخلاقی بے راہ روی اور انحراف وفساد سے نجات دلاتا ہے، چنانچہ وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ اسلامی ادب کو عام کیا جائے، اور مغربی تہذیب وثقافت کے جن مضر اثرات کیوجہ سے انسانی معاشرہ میں جو فساد بپا ہورہا ہے اسے صالح وتعمیری ادب کے ذریعہ دور کیا جائے، اس لئے کہ ادب اسلامی وہ طاقتور عنصر ہے جو جدید مغربی افکار ونظریات اور فاسد وتخریبی ادب کا قلع قمع کرسکتا ہے"۔

اس ادبی نشست کے اختتام پر پونا میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی ایک شاخ کا قیام بھی عمل میں آیا، تاکہ اس علاقہ کے ادباء وشعراء، انشاء پردازوں اور ادبی ذوق رکھنے والے قلمکاروں کو صحیح رہنمائی مل سکے، بعد ازاں ایک شعری نشست بھی ہوئی جس میں متعدد شعراء کرام نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔

۲۸رجون ۲۰۰۵ء کو پونا کالج میں اصلاح معاشرہ کا ایک جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب منعقد ہوا، اجلاس میں نامور علمائے کرام، ائمہ مساجد، سیاسی وسماجی کارکنان، پروفیسر صاحبان شریک تھے گویا شہر کا کریم (Cream) تھا جو اس اجلاس میں جمع ہوگیا تھا، جلسہ کا آغاز جناب قاری نور الحسن صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، بعد ازاں کالج کے پرنسپل ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب نے نہایت مؤثر انداز میں صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، اور ممتاز صحافی معلم ومربی جناب مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ "یہ ہمارے کالج کے لئے خوش قسمتی کی بات ہے کہ ملک کی ایسی ممتاز شخصیات یہاں رونق افروز ہیں، اس کے بعد جناب انیس چشتی صاحب نے مسلمانوں کی سائنسی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی، بعد ازاں جناب ناظم صاحب دامت برکاتہم نے اپنے فکر انگیز صدارتی خطبہ میں سائنسی تاریخ کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کا ایک تاریخی جائزہ پیش کیا، تقریر کچھ ایسی مؤثر اور معلومات افزا تھی کہ سارا مجمع ہمہ تن گوش تھا، جلسہ پر سکون ووقار کی عجیب کیفیت طاری تھی، مولانا موصوف نے فرمایا کہ "علم نام ہے اشیاء کے حقائق کے جاننے کا، ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں علم کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:-

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ جانے وہ نظر کیا؟

کسی شئی کی حقیقت کا ادراک کر لینے کے بعد ہی حالات اور ان کے تقاضوں کے مطابق اسے استعمال کرنے کا مرحلہ آتا ہے، وہ علم جس سے حقیقت اور اشیاء کا عرفان حاصل ہو، وہی عملی زندگی میں ہمارا ممد ومعاون ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اسی کے ذریعہ ہم انسانی دنیا کے تعلق سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی وتحقیقی میدان میں ترقی کرنے، جدید اکتشافات واختراعات کے ذریعہ جو اسباب ووسائل فراہم ہورہے ہیں انہیں حاصل کرنے اور امت مسلمہ کو پستی وپسماندگی کی دنیا سے نکال کر عروج واقبال کی بلندیوں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں"

مولانائے محترم نے یورپ ویونان کی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ "ایک زمانہ تھا جب یونان علم وتحقیق کا منبع ومرکز تھا، علوم وفنون کی زمام قیادت اس کے ہاتھوں میں تھی، لیکن محض اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ اس مقام پر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، یہی حال یورپ کا تھا، وہ قرون مظلمہ میں علم سے کوسوں دور تھا، نہ صرف یہ بلکہ اس کے نزدیک علم حاصل کرنا حرام وممنوع تھا، اگر کسی کے بارے میں یہ پتہ چل جاتا کہ اس نے کسی قسم کا کوئی علم حاصل کیا ہے تو اسے سزا دی جاتی، لیکن اسی یورپ نے اپنی بیداری کے زمانہ میں علم وتحقیق کے میدانوں میں دوسری معاصر قوموں سے سبقت حاصل کرلی ہے، حتی کہ وہ آج دنیا کا قائد اور سائنس وٹکنالوجی کا امام بن گیا ہے، اور امت مسلمہ جیسی عظیم قوم اس کی سائنسی ایجادات کی خوشہ چیں بن کر رہ گئی، لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کی بازیافت کے لئے جان توڑ کوشش کریں، صدر محترم نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ الحمدللہ عالم اسلام میں بیداری کے آثار رونما ہورہے ہیں، جگہ جگہ قائم علمی وفکری ادارے اس کے غماز ہیں کہ بہت جلد حالات تبدیل ہوں گے اور مسلمانوں کا مستقبل درخشاں وتابندہ ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ مسلمان نئے نئے چیلنجز اور خطرات کا سامنا کرنے کے لئے متحد ہوں، معاشرہ میں انس ومحبت، اتحاد واتفاق، یگانگت وبھائی چارگی کی فضا قائم ہو، کیونکہ بغیر اجتماعی جدوجہد کے تابناک مستقبل کا ہمارا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

تقریر کے اختتام پر مولانا نے عالم اسلام کی ذمہ داری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ "عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کے عروج اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو، اسے چاہئے کہ مغرب سے مستغنی ہوکر اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے، اگر مسلمان اسلامی پیغام کی اشاعت کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم وتحقیق، صنعت وتجارت میں مہارت حاصل کریں، آج مسلمان کسی کا محتاج نہیں اگر حاجت مند ہے تو صرف اور صرف منظم جدوجہد، مکمل تیاری اور سخت جانفشانی کا، کیونکہ ان کے پاس کتاب وسنت کی شکل میں ایک ایسا سرچشمۂ حیات ہے جو تاقیامت خشک نہیں ہوسکتا، چنانچہ مسلمانوں کو شکوہ وشکایت کی دنیا سے نکل کر عملی میدان میں قدم رکھنا چاہئے اسی سے ان پر ترقی واقبال کی راہیں کھل سکتی ہیں، محض تصنیفات وتالیفات اور زبانی جمع خرچ سے کوئی عملی فائدہ ونتیجہ سامنے نہیں آسکتا۔

حضرت ناظم صاحب کی دعاء پر اس اجلاس کا اختتام ہوا، ۲رجون ۲۰۰۵ء کو حضرت ناظم صاحب اور ان کے رفقاء سفر کی دارالعلوم ندوۃ العلماء واپسی ہوئی۔

(بشکریہ الرائد مترجم: جناب وثیق ندوی)

بقیہ: مسلمانوں کو اپنی زندگی۔۔۔

صدیقی عزیمت، فاروقی عزم، عثمانی بے نیازی، حیدری زور وتوانائی، بلالی روح، صحابہ کرام جیسی اطاعت وسپردگی کو اپنالے، اور صنم آشنائی سے دل کو پاک کرلے، روح العقید کی اختیار کرلے، اسلام کے اصل مصادر ومراجع کی گہری بصیرت اور شعور وآگہی حاصل کرلے، اس برق رفتار زمانہ کی نبض پر اس کا ہاتھ بھی ہو، اور آہ سحر گاہی کا لذت آشنا بھی ہو، تبدیلی وانقلاب کے لئے یہ بے حد کارگر نسخہ ہے، عباسی خلیفہ آہن معتصم باللہ کے دربار میں چند بزرگ وصلحاء حاضر ہوئے اور کہا: "جہاں پناہ!" ترکی فوج نے بغداد کے باشندوں پر ظلم وجبر کے ایسے پہاڑ توڑے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے عاجز آگئے ہیں "آپ فوری طور پر اس فوج کو ہٹائیے اور اس پر پابندی لگائیے، ورنہ ہم آپ سے جنگ کریں گے" معتصم نے ان کی باتیں سن کر قہقہہ لگایا اور کہا: "فوج میرے پاس ہے، ہتھیار، تیر وتفنگ کا میں مالک ہوں، تم مجھ پر کیسے حملہ کرسکتے ہو؟" ان نیک دل بزرگوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "معتصم! ہم تم پر آہ سحر گاہی اور صبح خیزی کے تیر (سہام السحر) سے حملہ کریں گے" عباسی خلیفہ یہ سن کر لرز اٹھا اور چیخ پڑا: "میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا"! اس نے بغداد سے دور ایک نیا شہر (سامراء) آباد کرکے ترکی فوج کو وہاں منتقل کردیا۔

یہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے ذریعہ کامیابی یقینی ہے، اس کے لئے بکھرے ہوئے شیرازہ اور پھیلے ومنتشر تنکوں کو سمیٹنا اور جوڑنا ہوگا، اپنے آپ کو اور اپنے انداز واطوار کو بدلنا ہوگا۔

"اللہ اس وقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو تبدیل نہ کرلے" (قرآن مجید، سورہ رعد: ۱۱)

(یہ مضمون ۱۶ر صفحات کے پریس میں چلے جانے کے بعد موصول ہوا اس لئے اس تکنیکی مجبوری کی وجہ سے یہ مضمون اس شمارہ کے آخری صفحات کی زینت ہے جس کے لئے ہم فاضل مضمون نگار سے معذرت خواہ ہیں)

بقیہ: بہار کی بہار

پر دیکھا پھر خلافت وغیرہ کے جلسوں میں متعدد بار لکھنؤ میں ملاقات رہی، دل ان کے علم وتدین دونوں کا قائل رہا، اور آگے چل کر جب ان سے اور مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی سے جو شدید جنگ برپا ہوگئی تو دل اس سے برابر دکھتا ہی رہا، دنیا میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ مخاصمہ کے دونوں فریق اپنی اپنی جگہ بے قصور ہی نکلے۔

ایک مرکز اہل بہار کا علی گڑھ بھی ہے، یونیورسٹی کورٹ کی ممبری کے سلسلہ میں وہاں کئی سال سے آمد ورفت قائم ہے۔ مولانا سلیمان اشرف مرحوم اب بہاری ہوگئے تھے، لیکن ان کا خاندان تھا ہمارے اودھ ہی کے قصبہ کچھوچھے کا۔ ان کی زبردست شخصیت بعض عجیب خصوصیات کی مالک تھی۔ اور پروفیسر ابوبکر محمد حلیم صاحب ایم اے جو عرصہ سے پرووائس چانسلر ہیں، اسم با مسمّٰی پیکر حلم وخوش خلقی ہیں۔ مرزا اختر حسین صاحب رجسٹرار پٹنہ یونیورسٹی، مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر ہیں۔ ان سے بار بانیاز حاصل ہوتا رہا۔

"سچ" بھی ایک ذریعہ اہل بہار کی توجہ منعطف کرنے کا تھا۔ بلکہ دکن کے بعد سچ کی سب سے زیادہ قدر افزائی علاقہ بہار ہی نے کی، چھپرا کے وکیل محمد اسمٰعیل صاحب، تربت ضلع گیا کے قاضی احمد حسین صاحب، رانچی کے ہیڈ ماسٹر الطاف کریم صاحب اور پٹنہ کے مولوی منظر علی ندوی مرحوم (المبشر والے) اسی سلسلہ سے مہربان ہوئے، مولوی منظر مرحوم تو خدا کے گھر سدھارے باقی حضرات کی خیریت ادھر ایک عرصہ سے دریافت نہیں ہوئی، الطاف کریم صاحب دریاباد کو بھی سرفراز کر چکے ہیں۔

سال اب خوب تو خیال میں نہیں ۲۰ء یا ۲۱ء ہوگا ایک بار حیدر آباد جانا ہوا، مولانا شروانی صدر الصدور امور مذہبی کے دولت کدہ پر کوئی علمی کمیٹی تھی، نظر ایک نئے چہرہ پر پڑی، اور جی چاہا کہ اب پڑی ہے تو برابر پڑی ہی رہے ہٹنے نہ پائے، نرم اور روشن چہرہ پر ریشم کی طرح نرم اور ملائم داڑھی پر پڑی، تو دل نے کہا کہ اس چہرہ کو دیکھتے ہی چلے جایئے، بتانے والے نے بتایا کہ یہ مولانا مناظر احسن گیلانی ہیں، اللہ اللہ کیسا دھوکہ ہوا، نام سے عرصہ سے واقف تھا، ایک خیالی صورت بھی ذہن میں تھی۔ لیکن یہ صورت، سیرت ہر چیز سے متعلق خیال اور اندازہ کتنا غلط نکلا، خیال تھا کہ مسن ہوں گے، یہ تو جوان نکلے، قیاس تھا کہ بڑے بحاث بڑے مناظر ہوں گے اور خشکی ورکرختگی کے پتلے، مشاہدہ نے بتایا کہ ایک لطیف جسم لطیف تر روح کو چھپائے ہوئے ہے! خندہ رو، نرم خو، نہ کرختگی نہ ثقالت، برعکس اس کے ایک پیکر لینت ولطافت، قال کے موقع پر قال، اور حال کے محل پر حال، صورت پر نورانیت برستی ہوئی، گفتگو سے محبوبیت ٹپکتی ہوئی، علم کی جگہ علم، عشق کی جگہ عشق۔ تعارف ہوا اور ملاقات کے پینگ بڑھے، اس اٹھارہ انیس سال کی مدت میں کیا کچھ دیکھا، کیا کچھ سیکھا، ان سوالات کو بس سوال ہی بنا رہنے دیجئے، حیدر آباد کی ہمراہیاں، لکھنؤ کی یکجائیاں، دریاباد کی سرفرازیاں، اور پھر عرشہ جہاز پر ساتھ، مدینہ کے "روضہ جنت" میں ساتھ، بیت اللہ کے طواف وزیارت میں ساتھ، منٰی کی نمازوں میں ساتھ، یہ ساری داستان کہیں پھیلنی شروع ہوگئی تو سمیٹنی مشکل ہو جائے گی، مختصر یہ کہ دماغ اگر ایک بہاری سیدزادہ کے علم وفضل کے آگے جھک گیا تھا، تو دل دوسرے بہاری سید کی محبوبیت کی نذر ہوگیا، دماغ اگر ایک کی عظمت کا قائل تو دل دوسرے کی محبت کا گھائل "بہار کی بہار" اب بھی روح پرور نہ ہو تو کیا ہو؟

۱۹۲۹ء میں سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی، جہاز پر مولوی نصیر الدین صاحب پنشنر منصف اور ان کے صاحبزادے ضمیر الدین صاحب کا خوب ساتھ رہا۔ ضمیر صاحب جو اس وقت ایک پر جوش خلافتی تھے، ان کے لطف وکرم کی تجدید ۸۔۹ سال بعد خاص شہر پٹنہ میں ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ مولوی شاہ لطف اللہ صاحب مونگیری، اور ان کے برادران عزیز مولوی نور اللہ ومولوی منت اللہ (اب ایم ایل اے ہیں) سے خصوصیت پیدا ہو جانے کے لئے اتنا ہی بس تھا کہ یہ حضرات مولانا گیلانی کے عزیز وقریب ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان حضرات کا لطف واخلاص بجائے خود بھی یاد رہ جانے والی چیز ہے، اور مدینہ منورہ میں ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب کا وجود تو ہر مسافر وزائر کے لئے ایک آیۂ رحمت ہے، ہم لوگوں پر کرم خاص رہا، مسجد نبوی میں باب جبرئیل کے دربان بھی ایک بہاری تھے اور خوب شخص تھے ہم لوگ عموماً اسی دروازہ سے جاتے تھے روز ملاقات رہتی تھی، نام اس وقت ذہن میں نہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے سررشتہ تالیف وترجمہ کے سلسلہ میں ستمبر ۱۹۱۷ء سے ستمبر ۱۹۱۸ء تک ایک سال مسلسل حیدر آباد میں قیام رہا۔ سرکار عالی کے نائب صدر محاسب (اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل) مولوی عبد الغنی بہاری مرحوم تھے۔ ان کے کرم بے حساب رہے۔ ان کے صاحبزادے محی الدین صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا محکمہ تعلیمات میں تھے۔ اب شاید اورنگ آباد کالج کے پرنسپل ہیں۔ جوانی ہی میں مذہب کے دلدادہ، لطف وکرم میں باپ کے قدم بہ قدم۔ انہیں کے ہاں شمس العلماء مولوی محب الحق کی زیارت کئی بار ہوئی۔ اس وقت تو بہت بزرگ صورت معلوم ہوئے۔ بعد کو سننے میں آیا کہ عقائد کچھ "اہل قرآن" کے سے ہیں۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ ایسا شخص اور منکر حدیث ہو! بہار ہی کے ایک صاحب مولوی ابو مصلح ایڈیٹر حسن وعشق، مراسلت عرصہ سے فرمارہے تھے حیدر آباد کی آمد ورفت کے سلسلہ میں ملاقات ہوئی۔ تحریک قرآن کی دھن میں لگے ہوئے دکن ہی کے سلسلہ میں ایک اور بہاری عبد الرحمٰن خاں صاحب بھی یاد آگئے۔ انسپکٹر پولیس تھے۔ مدتوں مہربان رہے۔

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی کا نام رہا ہی جاتا تھا۔ نظر ثانی کے وقت یاد پڑا، یہاں ٹانکے دیتا ہوں۔ اب مدت سے کلکتہ یونیورسٹی میں عربی کے استاذ ہیں، ایک زمانہ میں لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے۔ اس وقت تو میں ہی ذرا الگ رہا۔ بعد کو معلوم ہوا بڑے مسلمان تھے۔ مراسلت اور ان کے مقالات حدیث نبوی سے اس کی تصدیق ہوگئی۔

پٹنہ کی حاضری کا اتفاق کل دوبار ہوا۔ بوئے انس شہر کی گلی گلی سے آئی۔ نئی کوٹھیوں سے کم تر عظیم آباد کے کھنڈروں سے بیشتر پہلی بار ستمبر ۱۹۲۷ء میں جانا ہوا۔ مولانا مناظر صاحب شدید علیل ہوکر پٹنہ کے بڑے اسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ تار پاکر عیادت کو دوڑا ہوا گیا۔ مہمانداری مولوی منظر علی مرحوم ایڈیٹر المبشر نے کی۔ مولانا کے والد ماجد حیات تھے، ان کی زیارت ہوئی اور مولانا کے برادر عزیز سید مکارم احسن سے خوب ملنا ملانا رہا۔ مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی، قاضی احمد حسین صاحب ایم، ایل، سی، مولوی نور محمد صاحب ایڈیٹر "اتحاد" وغیرہم لطف فرماتے رہے اور مولوی سید محمود ندوی تو ہر وقت خدمت کے لئے وقف رہے، میزبان صاحب موٹر پر پھلواری لے گئے۔ مزارات کے علاوہ زندہ بزرگ امیر شریعت مولانا محی الدین صاحب کی زیارت نصیب ہوئی۔ مولانا قاری شاہ سلیمان مرحوم ومغفور اور ان کے اہل خاندان کے عزیزانہ مسافر نواز محبت کا مزہ دل اب تک لے رہا ہے۔ جناب تمنا کو بھی وہیں دیکھا اور کلام سنا اور جناب تمنا کی لطف فرمائیاں رہیں۔ غرض "پھلواری" کی سیر سے دل باغ باغ رہا اور اس کی سدا بہار سرسبزی کے لئے دعائیں نکلتی رہیں۔

دوسرا سفر ۱۹۳۷ء میں ایک اردو کمیٹی کے سلسلہ میں ہوا۔ ضابطہ سے میزبان قاضی عبد الودود صاحب بیرسٹر تھے۔ لیکن قیام مولانا سید سلیمان کی رفاقت میں، ریاض حسن خانصاحب رئیس مظفر پور کی کوٹھی پر رہا، موصوف مولانا شبلی مرحوم کے ملنے والے اور اس کے رشتہ سے میرے بھی بزرگ ہوئے۔ بزرگانہ شفقتیں عین روایات بہار کے مطابق رہیں، تمنا صاحب اب کی بھی کرم فرماتے رہے، اور ان کے علاوہ ضمیر الدین صاحب اور متعدد حضرات کی عنایتوں کا مینہ دن بھر برستا رہا۔ افسوس ہے کہ ان کے اسمائے گرامی ذہن میں نہیں۔ شام کو ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم کے اعزاز میں علیگڑھ اولڈ بوائز کی طرف سے ایٹ ہوم تھا۔ متعدد نوجوانوں سے ملاقات رہی۔ سب خلوص ومحبت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے، ایک ڈپٹی مجسٹریٹ اور دو یونیورسٹی کے طلبہ کی صورت کا نقش ذہن میں ہے۔

لیجئے ایک ہدیہ حقیر بزرگان بہار کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے، گو ان کے مرتبہ کے قابل ہرگز نہیں، تیار ہوگیا۔ موضوع "احباب بہار" خود ایڈیٹر صاحب ندیم کا عنایت کیا ہوا تھا۔ محفل خاص میں اغیار کے بار پانے کے کوئی معنی نہیں۔ بہار نمبر میں ایک غیر بہاری کے لئے جگہ نکالنا محض اس کا دل بڑھانا ہے۔ لیکن یہ بہار نمبر ہے، ایسا کہ اس پر کسی خصوصی نمبر کا اطلاق ذرا مشکل ہی ہے۔ ایک تو اودھ اور بہار کے تمدن ومعاشرت کی یہ یکسانی کہ ایک کو دیکھ کر بے اختیار دوسرے کی زبان سے نکلے۔ ع

کمال جذب تو دیکھو بہم تمیز مشکل ہے

اور پھر اس عموم میں خصوص ان سطور کے راقم کا اہل بہار کے ساتھ نیاز مندانہ خلوص۔ قند وشکر کو جب تولتے ہیں تو خس وخاشاک کے ذریعہ بھی قند وشکر ہی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں، عجب کیا جو اس غیر بہاری کو بھی ایک اعزازی (آنریری) بہاری سمجھ لیا جائے۔

(اضافہ ۱۹۶۱ء) اس تحریر کے بعد دوبار پھر سفر بہار کا اتفاق ہوا۔ ایک بار ۱۹۵۲ء میں جو اصلاً سفر گیلانی تھا۔ مولانا کی حیات میں ضمناً سفر پٹنہ بھی رہا۔ دوبارہ ۱۹۵۷ء میں جو اصلاً سفر پٹنہ تھا اور ضمناً سفر گیلانی (تربت مولانا پر فاتحہ پڑھنے) سفر دیسنہ، سفر راجگیر، سفر نالندہ اور سفر پھلواری اس سفر میں قیام گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے یہاں رہا، اور نیاز خصوصی حاصل رہا پروفیسر عبد المنان بیدل۔ حکیم عبد الاحد (پرنسپل طبیہ کالج) اور انوار احمد ایڈوکیٹ سے۔

(ماخوذ: رسالہ ندیم (گیا) بہار نمبر ۱۹۳۰ء)

(بشکریہ جناب مولانا ابوسحبان روح القدوس ندوی)

ندوہ میں مرکز نظام الدین دہلی کے علماء واکابر کی آمد

الحمد للہ دار العلوم میں تبلیغی جماعت کے اکابر علماء کی تشریف آوری ہوتی رہی ہے، ماہ جولائی کے آخری ہفتہ میں مرکزی نظام الدین دہلی سے علماء کرام کی ایک مؤقر جماعت کا ندوہ آنا ہوا، اساتذہ دار العلوم، طلبہ عموی اور فارغ ہونے جا رہے طلبہ میں ان اکابر علماء کے بیانات ہوئے یہ حضرات اکابر جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد اور معہد دار العلوم ندوۃ العلماء، سکروری بھی تشریف لے گئے اور ان مدارس کے طلبہ واساتذہ بھی ان سے مستفید ہوئے۔

فکرونظر

مسلمانوں کو اپنی زندگی میں تبدیلی لانی ہوگی

ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

مسلمانوں کی زبوں حالی، پسماندگی، مجبوری، بے بسی کا نہ صرف شکوہ وگلہ بلکہ درد کا احساس پورے عالم اسلام میں عرصہ سے ہے جو کبھی جھنجھلاہٹ، لعن طعن ومایوسی، اور کبھی حرارت ایمانی، ہمدردی ووفا کی بناء پر آہ وبکا، اور نالہ وفریاد کی شکل میں ابھر اٹھتا ہے، جو خلاف فطرت نہیں ہے لیکن کیا یہ سب کچھ اچانک ہو گیا اور اس ''منظرنامہ'' کے برپا کرنے میں کچھ ''خفی وجلی'' عناصر نہیں ہیں؟

اسلام سے ستیزہ کاری کوئی نئی بات نہیں ہے، خیر سے شر کی آویزش بھی پرانی ہی ہے، بدی نے نیکی کو کبھی قبول نہ کیا، صلیبی جنگوں کی جھنکار اب تک سنائی دیتی ہے، عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹنے کا اصل سبب وہی ہے، زوال خلافت عثمانی اس محاصرہ کا نتیجہ تھا جو پہلی عالمگیر جنگ کے بعد بڑھتا چلا گیا، اسی دوران عثمانی سلطنت کا ایک فوجی دستہ فلسطین کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔

ایک شام چند فوجی جنرل بیٹھے چائے پی رہے تھے ایک کنارے ایک غیر معروف سا فوجی بھی شریک بزم تھا، یکدم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پر جوش آواز میں مخاطب ہوا ''ہماری ساری پریشانیوں کا سبب ''خلیفہ'' ہے ہمیں کچھ کرنا چاہئے'' تمام فوجی جنرل چونک پڑے اور انھوں نے بیک آواز کہا ''خبردار آئندہ یہ جملہ زبان پر نہ آنے پائے ہم اس وقت تو تمہیں معاف کر دیتے ہیں، خلیفہ ہماری آبرو ہیں اور ہماری وحدت وطاقت کے نشان'' یہ وہی فوجی تھا جسے دنیا نے جنرل مصطفی کمال اتاترک کے نام سے جانا، اور انگریزوں وصہیونیوں کی مدد سے ''انجمن اتحاد وترقی'' کے پلیٹ فارم سے آمرانہ حکم کے ذریعہ ''خلافت'' کو ختم کر دیا، انجمن اتحاد وترقی کے بیشتر ارکان دین بیزار اور مولوی آزار تھے، انھوں نے شیخ بدیع الزماں سعید نورسی کی بات نہیں مانی، اغیار کے آلہ کار بنے رہے اور صلیبی وصہیونی شکنجہ مسلم ممالک پر کستا چلا گیا، فوج کشی سے زیادہ سازش، سیاسی چال، مادی ومالی تعاون، جاہ ومنصب کی پیشکش، فکری، ذہنی، تہذیبی وتمدنی جلوہ گری، گرفت کے مضبوط کرنے میں سب سے بڑا مؤثر ذریعہ تھی، ''لارنس'' (انگریز بازی گر) نے بھیس ولہجہ بدل کر شیریں کلامی اور چالبازی سے عرب ممالک کو عثمانی خلافت سے علاحدگی یا ''آزادی'' پر آمادہ کر لیا، اور انھیں خود اپنی ''حکمرانی'' کے سبز باغ دکھائے، ادھر لبنانیوں وشامیوں کے ''مغرب نواز طبقہ'' کے دلوں میں عرب قومیت کا صور پھونکا اس نے ایک ایسی تحریک کی شکل اختیار کر لی جس میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغام اسلام کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رکھی، اس قوم پرستی نے عرب سماج میں زبردست کشمکش پیدا کر دی۔

''لارنس'' کا سحر وافسوں صرف عرب دنیا ہی تک محدود نہ رہا بلکہ ''طنجہ سے جاکرتا'' تک پوری مسلم دنیا میں ''لارنسوں'' کا ایک قافلہ جادہ پیما ہو گیا، اس نے اپنے فریب، سحر انگیزی اور چالاکی سے اپنا ایک گروہ تیار کر دیا، جس نے انسانیت سوز، مذہب بیزاری فکر وتمدن، تہذیب وسماج قائم کرنے کے لئے پوری توانائی صرف کر دی۔ حق پسند لوگ اور غیرت مند علماء صحیح راہ کی جانب رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔

اس پسماندگی کی کہانی بڑی لمبی اور المناک ہے جو سقوط قسطنطنیہ سے شروع ہو کر بغداد کے سقوط ثانی تک جا پہونچتی ہے، لارنس کی سرپرستی میں جو گروہ تیار ہوا تھا اسے اسلامی اقدار، مسلم مفادات، خاک وطن اور شہیدوں کے لہو سے کوئی سروکار نہیں تھا، ان کے دل میں خیر وفلاح کا جذبہ یا احساس زیاں بھی باقی نہ رہا تھا،

لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت کردہ کتاب مینارۂ نور اور مشعل راہ بن کر قائم ودائم رہی اسی نے انسانی دنیا کو سماجی انقلاب سے روشناس کرایا تھا، اسی نے زندگی کے ہر شعبہ کو ستھرا، نکھرا اور پاکیزہ بنایا، سماج کے ہر فرد (خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا) کی ذمہ داریوں کو فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت کے مطابق تقسیم کیا، جس سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کو سماجی، سیاسی، معاشی، اور عمرانی فائدے پہونچے، ہر ایک کا میدان عمل تھا، اس نے اپنی صلاحیت اور میلان کے بموجب تخلیقی کارنامے انجام دیئے، اور مسلم دنیا ترقی وکامرانی کے بام عروج پر پہونچی، مگر مذکورہ بالا فریب نے ادبار وذلت کا شکار بنا دیا، قوموں کی زندگی میں تنزل وانحطاط دائمی وابدی نہیں، اور اس امت کا مستقبل تو یقینی طور سے تابناک وروشن ہی ہے، جو اللہ کا آخری پیغام اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے، اس کے ذریعہ پھر وہ انقلاب آسکتا ہے اگر مسلمان خود اپنے اندر انقلاب پیدا کر لیں اور اپنے آپ کو بدل لیں اور یہ تبدیلی اس طور سے ہو سکتی ہے کہ وہ توحید خالص، نبوی مزاج،

(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

ایک رپورٹ

ندوہ میں ایک سیمینار بعنوان ''تعلیم اور سیکولرزم''

اترپردیش کے اسکولوں میں رائج درسی کتابوں میں ایسے اسباق واجزاء پائے جاتے ہیں جو نہ صرف آئینی پہلو سے جمہوریت، سیکولرزم اور رواداری کے خلاف ہیں بلکہ بچوں کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے زہر بھرتے ہیں اور منافرت پیدا کرتے ہیں۔ ایسے اسباق واجزاء کا نصابی کتابوں سے نکالا جانا بے حد ضروری ہے۔ اس ملک کا بھلا اسی میں ہے کہ کم از کم تعلیم کو سیکولر رکھا جائے اور ماضی کی حکومتوں نے منظم انداز میں نصاب تعلیم کو جس منفی نہج پر ڈالنے کی کوشش کی ہے، حکومت اس کی اصلاح کرے۔ ان خیالات کا اظہار دینی تعلیمی کونسل کے زیر اہتمام 'تعلیم اور سیکولرزم' کے عنوان سے منعقدہ سیمینار میں دانشوروں نے کیا۔ اس موقع پر سرکاری درسی کتب میں قومی یکجہتی کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض اجزاء پر مشتمل ایک جائزہ کا اجراء بھی دینی تعلیمی کونسل کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

ندوۃ العلماء میں اتوار کو ہوئے اس پروگرام میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ سیکولرزم اور جمہوریت کے خلاف باتیں تعلیم میں نہیں آنی چاہئیں اور اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو اس کی تصحیح ہونی چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق ہونا چاہئے۔ حکومت اترپردیش سے ہمارا مطالبہ ہے کہ دین اسلام اور مسلم تاریخ کے بارے میں جن قابل اعتراض اجزاء کی نشاندہی کی گئی ہے اسے نصاب سے نکالا جائے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے بھی اپنے آخری دنوں میں اس وقت کے وزیر اعظم کو کہا تھا کہ تعلیم کی راہ سے اس ملک کو بچا لیجئے۔

صدر کونسل نے کہا کہ جو قابل اعتراض اجزاء داخل نصاب ہیں وہ ہندوستانی معاشرے کے سیکولر تانے بانے کو تار تار کرنے والے ہیں۔ انھوں نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر افسوس جتایا کہ مسلسل کوششوں کے باوجود متعلقہ سرکاری حکام کی سرد مہری ختم نہیں ہو رہی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اسکولوں میں اردو زبان کی تعلیم کا معقول نظم حکومت کو کرنا چاہئے۔ جناب مولانا کلب صادق صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہندوستانی مسلمان اپنے وطن کی وفاداری اور محبت میں سب سے آگے ہیں لیکن وہ اس کی پوجا نہیں کر سکتے۔ پوجا وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی بھی نہیں کرتے۔ انھوں نے کہا کہ دوسرے مذاہب کے لئے دلآزار باتیں نصاب میں شامل کرنے کی اجازت کسی حکومت کو نہیں دی جا سکتی۔ مولانا کلب صادق نے عملی اقدام کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں وہی حکمت عملی اپنانی ہوگی جیسا کہ وندے ماترم کے مسئلہ پر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی قیادت میں کیا گیا تھا۔ سراج حسین (آئی اے ایس) نے اپنے خطاب میں کہا کہ آر ایس ایس کے ۲۰ ہزار ودیا بھارتی اسکولوں اور قبائلی علاقوں میں واقع اسکولوں میں بھی مسلم دشمنی کا درس دیا جا رہا ہے۔ اس کے نصاب کے سلسلہ میں بھی حکومتوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مسلم دانشوران ہر سال جولائی میں تعلیم کے سلسلہ میں اپیل جاری کریں اور انگریزی وہندی میڈیم کے بچوں کیلئے اردو ودینیات کی تعلیم کا نظم کریں۔ ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ نے کہا کہ ریاستی حکومت مرکزی حکومت سے سبق لے جس نے نصاب کے جائزہ کی کمیٹی قائم کر کے کیسریا اجزاء کتابوں سے نکالے۔ انہوں نے کہا کہ ایک سال قبل یہ مطالبہ ریاستی حکومت سے کیا گیا تھا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے کہا کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تمام جمہوری طریقے اختیار کیے جائیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور کونسل کے نائب صدر جناب ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے کہا کہ دین وعقیدہ کے معاملہ پر مسلمان سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔

دینی تعلیمی کونسل کے جنرل سکریٹری اور سیمینار کے روح رواں ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے پروگرام کی نظامت کرتے ہوئے کہا کہ ۳۱ کتابوں کا جائزہ شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں پرائمری سے انٹر سطح تک کی ہیں جو ریاستی حکومت سے منظور شدہ ہیں اور ریاست بھر کے اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ انہوں نے مذکورہ معاملہ پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اقلیتی فرقہ کے سخت اعتراض کے باوجود یہ کتابیں اب بھی پڑھائی جا رہی ہیں حالانکہ ریاستی حکومت نے کچھ کتابوں میں جزئی اصلاح کی ہے لیکن حکومت کو صدق دلی سے پورے معاملے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے تعلیم کو سیکولر بنیادوں پر استوار کرنا ہوگا۔ انٹیگرل یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید وسیم اختر، جناب مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی، جناب محمد حسن انصاری نے بھی خطاب کیا۔ مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے آخر میں تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ماخوذ)

دار العلوم ندوۃ العلماء میں علماء و اکابر مرکز نظام الدین دہلی کی آمد

امت کا کام اور فریضہ خیر کے محور پر گردش کرنا ہے

ادارہ

جولائی کے آخری ہفتہ میں مرکز نظام الدین دہلی سے علماء و اکابر پر مشتمل ایک جماعت کی دار العلوم ندوۃ العلماء میں آمد ہوئی۔ یہ جماعت ڈاکٹر خالد صاحب، جناب مولانا مستقیم صاحب، جناب مولانا شوکت صاحب اور جناب مولانا شریف صاحب پر مشتمل تھی۔

بعد عصر حسب معمول اساتذہ دار العلوم کو ایک عصرانہ پیش کیا گیا۔ جس میں جناب مولانا مستقیم صاحب نے اپنی چند باتیں بھی رکھیں۔ موصوف نے اساتذہ کو متوجہ کیا کہ وہ طلبہ کا دعوتی ذہن بنائیں اور انہیں باور کرائیں کہ تبلیغ کے اصول کے تحت طالب علمانہ زندگی میں وہ اپنا کتنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس کی طرف انہیں متوجہ کرتے رہیں۔ گویا یہ کام سرپرستی و نگرانی اور توجہ و فکر مندی کا طالب ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء، الحمد للہ عربی زبان میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے اور اب جب کہ عرب ممالک سے جماعتوں کا سلسلہ جاری ہے تو یہ ہمارے طلبہ ترجمانی کا کام بحسن وخوبی کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جماعت سے جڑیں اور اساتذہ کرام ان کو اس کی ترغیب دلائیں۔ اردن، لیبیا، شام جیسے ممالک میں اپنے دورے کی کارگزاری سناتے ہوئے موصوف نے کہا کہ الحمد للہ دنیا سکون کی تلاش میں ہے اور وہ موجودہ نظریات سے عاجز آچکی ہے۔ چنانچہ اسلام کے مطالعہ کی طرف اور اسلام کو سمجھنے کی طرف ان کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس تناظر میں تبلیغ کی طرف بھی ان ممالک کا خاصا رجحان بڑھا ہے۔

بعد مغرب طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا مستقیم صاحب نے فرمایا کہ اس امت کا کام اور فریضہ خیر کے محور پر گردش کرنا ہے۔ اس میں نقد و تبصرہ کا کوئی خانہ نہیں ہے اور ناقد محروم رہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ طالب ۲۔ قانع ۳۔ ناقد۔ طالب اپنی مراد کو پالیتا ہے اور قابل ستائش ہوتا ہے۔ وہ مدارج طے کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اس کی ترقی روز افزوں ہوتی رہتی ہے اور ایسا شخص محمود ہے جبکہ قانع محدود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ایک منزل پر پہونچ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی محرومی ہوتی ہے۔ تیسری قسم ناقدین کی ہے اور انہیں ہمیشہ عیوب کی تلاش رہتی ہے۔ جبکہ قرآن پاک کا مزاج اس امت کے تئیں خیر کی طلب اور اس کی اشاعت کا ہے۔ اس صورت میں نقد کرنے والا محروم رہتا ہے۔

قرآن وسنت سے مزین اپنی تقریر میں موصوف نے فرمایا کہ یہود اشاعت کذب کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور فریب کی سیاست کو فروغ دے کر اپنی مطلب برآوری سے انہیں سروکار ہوتا ہے۔ تخریب میں وہ اپنی تعمیر سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑی طاقت اللہ کی طاقت ہے اور بچانے والا مارنے والے سے بہت بڑا ہے۔ بلکہ سب سے بڑا ہے اور وہ اللہ ہے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح ان کے بھائیوں نے انہیں بے نام ونشان کرنا چاہا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ ان بھائیوں کی مرضی کے عین خلاف ثابت ہوا۔

موصوف نے کہا کہ کتاب کے علم کا تعلق قلب سے جڑنا ضروری ہے۔ جب کتاب اور قلب کا تعلق قائم ہو جاتا ہے تو حیرت انگیز نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً ملکہ سبا کے تخت کے لانے کے سلسلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک جن کی خدمات حاصل کرنے کی بجائے ایک ایسے شخص کی خدمات قبول کیں جو کتاب کا علم رکھتا تھا۔

دینی مدارس کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ نے سربلندی اور سرفرازی کو ایمان کے ساتھ مشروط رکھا ہے چنانچہ مکی زندگی کی کوششیں ایمان کے محور کے گرد گھومتی ہیں۔ جبکہ مدنی دور میں صورت حال تبدیل ہوئی اور فتوحات کے دروازے کھلے۔

مولانا موصوف کا یہ دعوتی نوعیت کا بیان تھا اور آپ نے انبیاء کرام، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اسلام کی سربلندی کے لئے کی جانے والی کوششوں کا ذکر خیر کیا اور طلبہ کو ترغیب دی کہ وہ دعوت اصلاح کے کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور اس کو اپنا مقصد حیات قرار دیں۔

جو علماء و اکابر مرکز نظام الدین دہلی سے ندوہ تشریف لائے وہ ندوہ سے متعلق اداروں میں بھی تشریف لے گئے۔ اور آئندہ کل وہ فارغ ہونے جا رہے طلبہ سے خصوصی خطاب کریں گے۔

ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کی ندوہ آمد

ڈاکٹر تقی الدین ندوی، بانی جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڑھ جولائی کے آخری ہفتہ میں ندوہ تشریف لائے۔ حال ہی میں حضرت شیخ الحدیثؒ پر جامعہ میں جو سمینار ہوا تھا اس کے جملہ مضامین الحمد للہ مستقل کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں جو حضرت شیخ کے وابستگان کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

ندوہ کے لیل ونہار

الحمد للہ تعطیل گرما کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء حسب معمول کھل گیا اور ایک بار پھر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا مطالعہ کی کتابوں کے جو تحریری امتحانات ہونا تھے وہ بھی بحسن خوبی اختتام پذیر ہوئے اور طلبہ اپنے تعلیمی کاموں میں مشغول ہو گئے چونکہ امتحان سالانہ کا انعقاد بہت زیادہ دور نہیں ہے اس لئے طلبہ تعلیمی گھنٹوں اور مصروفیات کے سلسلہ میں سب فکر مند و متوجہ ہیں اور دار العلوم پر تعلیمی فضا۔ چھائی ہوئی ہے۔

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء۔ شدید مصروفیات کے باوجود اپنی معلمانہ شان کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور ان کی تعلیمی وتدریسی مشاغل کا سلسلہ جاری و ساری ہے عصر اور عشاء بعد حسب معمول علمی و تعلیمی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں جن میں حضرت ناظم صاحب بہ نفس نفیس موجود ہوتے ہیں۔

باسپٹل کی تعمیر کا کام الحمد للہ جاری ہے ذمہ داران کے علاوہ اس کے متعلق افراد اس میں منہمک ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء ایک علمی و فکری اور تعلیمی دبستان ہے اور تصنیف و تالیف سے اس کا رشتہ ہمیشہ سے استوار ہے۔

الحمد للہ گزشتہ دنوں مدیر الرائد وصدر شعبہ ادب عربی جناب مولانا واضح رشید صاحب ندوی کی کتاب منظر عام پر آئی جو عربی زبان میں ہے اور جو رجال الفکر والدعوہ کے سلسلہ کی پانچویں کڑی ہے۔ نیز حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت وسوانح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا اجراء ڈاکٹر سعید الاعظمی کے دست مبارک سے ہوا۔ اس تقریب میں حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء بھی موجود تھے۔

جناب فیضان نگرامی، جناب عبد الحمید اطہر ندوی اور طلبائے بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء، کی مختلف تصنیفی وتالیفی کاوشیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں اور ہم جملہ مصنفین و مرتبین اور مترجمین کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، جامعہ سید احمد شہید اپنے علمی و تصنیفی اور تالیفی کوششوں میں مصروف عمل ہے۔ حال ہی میں ان کے دو مزید رسالہ "مجلہ تحقیق ونظر سہ ماہی" اور مجلہ "البحوث والدراسات" (بزبان عربی) شائع ہو رہے ہیں امید ہے کہ علمی حلقوں میں ان کی پذیرائی ہوگی۔

جناب مولانا محمد الیاس صاحب بھٹکلی جو ابوالحسن اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ چلا رہے ہیں، اور اپنے علاقہ کی ضروریات وتقاضہ کے پیش نظر دور رس نتائج کی حامل سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں جن سے ان کے یہاں سے شائع ہونے والے خبر نامہ سے وقتاً فوقتاً ان کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے حال میں موصوف نے اسلامیات کے نام سے عصری اسکولوں کے لئے دینیات کا ایک مستقل سلسلہ مرتب کروا دیا ہے جو کرناٹک کی سرحدوں کو پار کر کے دور دراز علاقوں کے طلبہ کو بھی مستفیض کر رہا ہے۔

سالانہ امتحان کے شروع ہونے سے قبل جمعیۃ الاصلاح سلیمانیہ میں ثقافتی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب جناب ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کا اپنے برادر بزرگوار حکیم صاحب مدظلہ العالی کی عیادت کے لئے وطن مالوف مئو کا سفر پیش آیا اور ۱۵ر جون کی شب میں ان کی ندوہ واپسی ہوئی۔

۲۴ر جولائی ۲۰۰۵ کو دینی تعلیمی کونسل کے زیر اہتمام کتب خانہ شبلی میں ایک سیمینار بعنوان "تعلیم اور سیکولرزم" منعقد ہوا جس کی صدارت صدر دینی تعلیم کونسل نے کی۔ اس سیمینار میں سرکاری درسی کتب میں قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض اجزاء پر مشتمل مطبوعہ جائزے کی رسم اجراء بھی ادا کی گئی۔

حضرت ناظم صاحب کے اعظم گڑھ اور دہرہ دون کے اسفار پیش آئے۔ اعظم گڑھ میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور کی دعوت پر جانا ہوا۔ جہاں موصوف نے جامعہ کے علاوہ مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کا بھی معائنہ فرمایا، نیز طلبہ و اساتذہ جامعہ سے خطاب بھی کیا۔ جناب مولانا محمد واضح رشید ندوی بھی شریک سفر تھے۔

مضمون نگار حضرات توجہ فرمائیں

ہم شکر گزار ہیں اپنے مضمون نگاروں کے کہ وہ ہمیں اپنا قلمی تعاون پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل امور کا ازراہ کرم خیال رکھیں۔ ☆ مضمون تعمیر حیات کے معیار، مزاج اور ذوق کے مطابق ہو۔ ☆ مضمون مختصر اور جامع ہو۔ اور اختصار وایجاز سے کام لیا گیا ہو۔ ☆ حتی الامکان ترجمہ شدہ مضامین کے ارسال کرنے سے اجتناب کریں۔ ☆ اپنے مضامین کی کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔ ☆ طلب نہ کئے گئے مضامین بھیجنے کی صورت میں جوابی لفافہ بھی ساتھ رکھیں۔

خوف وذلت کی نفسیات اور ہمارا لائحہ عمل

امین شجاع

ایک حربہ تو یہ ہے کہ اپنے حریف کو اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا کیا جائے، لیکن جس طرح احساس برتری دراصل احساس کمتری ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اور ایک شخص برتری کے احساس کے ذریعہ اپنی کمتری کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، تجزیہ کیا جائے اور گہرائی سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو خوف وذلت کی نفسیات کے سلسلے میں بھی اپنے حریف کو اس نفسیات میں مبتلا کرنے کے پس پشت مقابل کے بذات خود خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ روز وشب اور لیل ونہار کی گردش برابر جاری ہے اور عروج وزوال کا قانون برابر اپنا کام کر رہا ہے۔ کل ایک قوم طاقت وقوت میں تھی اور اسے غلبہ حاصل تھا لیکن وہ آج مغلوب اور کمزور ہے چنانچہ اس کے جرم ضعیفی کی سزا ہے کہ انتقامی ذہن کے تحت اسے خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا کیا جائے۔ یہی وہ ذہنیت تھی کہ جس نے غالبؔ کو عدالت میں طلب کرکے پوچھا تھا کہ کیا تم مسلمان ہو؟ غالبؔ، غالبؔ تھے ان کے مزاج میں مزاح تھا چنانچہ کہا کہ آدھا مسلمان ہوں یعنی شغل تو کرتا ہوں لیکن خنزیر نہیں کھاتا، بہادر شاہ ظفرؔ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا کہ ناشتہ میں اس کے بیٹوں کے سر پیش کئے گئے، رنگون میں قید کیا گیا اور جس کا سکہ چلتا تھا اسے کوئے یار میں دو گز زمین بھی نہ مل سکی۔ ہر عروج کو زوال ہے چنانچہ انگریزوں کا دور اپنے انجام کو پہونچا اور مسئلہ کالے گورے کے بجائے ہندو مسلم کا پیدا کردیا گیا۔ اس موقع پر بھی بذات خود خوف وذلت کی نفسیات کی شکار وگرفتار ذہنیت نے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ چنانچہ کہاں تو ۱۸۷۰ء کی یہ حقیقت کہ انگریزوں کے ذریعہ مردم شماری کے وقت اکثریتی فرقے کے قائدین نے باقاعدہ تحریر دی کہ آدی واسیوں اور شودروں کے مذہب کے خانے میں ہندو نہ درج کیا جائے اور کہاں ۱۹۱۱ء میں بذات خود انہیں کے ذریعہ ان کی اس پالیسی کی نفی کہ چونکہ پالیٹیکل پروسیس شروع ہو چکا ہے، اس لئے ان ذاتوں کا اندراج بھی ہندو ہی کی حیثیت سے ہو اور اس طرح ایک اقلیت ملک کی سب سے بڑی اکثریت بن سکے۔ بذات خود جو لوگ خوف وذلت کی نفسیات کے شکار اور گرفتار ہوتے ہیں اس کے پس پشت کچھ تاریخی عوامل بھی ہوتے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ اپنے قوموں کے ہیروز پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے مقابل اپنی حریف قوم کے سورماؤں اور شخصیتوں کو دیکھتے ہیں تو حقائق کی روشنی میں انہیں ذلت کا احساس کاٹنے لگتا ہے۔ چنانچہ تاریخی حقائق سے وہ آنکھیں موندنا چاہتے ہیں اور اگر بس چلتا ہے تو ان حقائق کو مسخ کردینا چاہتے ہیں اس کے مقابل زندہ قوموں کا مزاج حالات کی ناسازگاری کے باوجود شکوہ وشکایت کا نہیں بنتا اس لئے کہ انہیں اپنے ماضی کی شخصیتوں سے روشنی اور تقویت ملتی رہتی ہے۔ وہ اپنی قدآور شخصیات کے کارناموں سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ یونانیوں کو سکندر یاد ہے، نظریات سے اختلاف کے باوجود مسلمان اکبر کو یاد رکھے گا، اور وہ بابر بھی اس کے ذہن میں رہے گا جو رانا سانگا کی دعوت پر ہندوستان آیا تھا۔ دشمن کے مقابلے میں جس کو ۸۰ گھاؤ لگے تھے اور ایک ہاتھ اور ایک پیر ضائع ہوگیا تھا۔ تو مسلمانوں کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کا کلیجہ بہت بڑا ہے اور جو دل گردے کی تاریخ ہے۔

افسوس کہ آج اس تاریخ اور کلچر کے حاملین کو دہشت گرد کہا جارہا ہے۔ جن کی تاریخ بہادری اور شجاعت سے بھری پڑی ہے جب کہ دہشت گردی کا تعلق بزدلی سے ہے۔ مثلاً سوچئے کہ سانپ اور بچھو انسان کو کیوں نقصان پہونچاتے ہیں اس لئے کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے ایذا پہونچانے سے پہلے ہی انسان انہیں ختم کردیگا۔ اس لئے سانپ اور بچھو حملے میں پہل کرتے ہیں۔ اب اگر وہ اپنا دفاع کریں تو دہشت گرد کہلائیں، عجیب منطق ہے! زندہ قوموں کی تاریخ دب دب کر ابھرنے کی تاریخ ہے۔ فرانس کو ہٹلر نے روندا مگر وہ پھر کھڑا ہوگیا۔ جاپان کو تباہ کیا گیا لیکن اس نے دوبارہ اپنا وزن منوالیا کیا عجب کہ عراق میں بھی یہی تاریخ دوہرائی جائے۔ اور بات صرف جنگوں کی حد تک ہی کی نہیں ہے ہٹلر نے یہودیوں کو ذلت کے ساتھ بھٹیوں کی نذر کردیا تھا لیکن اسکے باوجود انہیں کی صف سے آئن سٹائن اٹھا زندہ قومیں نہ تو خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا ہوتی ہیں اور نہ شکوہ شکایت کو اپنا مزاج بناتی ہیں۔ بلکہ کارزار حیات میں وہ اپنا لوہا منواتی ہیں۔ مسلمانوں کا طریقہ کار ہمیشہ سے یہی رہا ہے اور آج بھی ان کے لئے یہی لائحہ عمل ہے کہ وہ تمام شعبہ ہائے حیات میں اپنی افادیت و نافعیت کا ثبوت دیتے رہیں۔

Mob.: 9415090544, Shop: 2627446, Res.: 2254796
(پروپرائٹر: ولی اللہ)
WALI ULLAH JEWELLERS
ولی اللہ جویلرس
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

قنوج کے قدیم مشہور ومعروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ شمامۃ العنبر
☆عطر گلاب ☆روح خس ☆عطر موتیا ☆عطر حنا ☆عطر گل ☆عطر کیوڑہ
☆اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں فون: 234445
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹڈ) قنوج

دو تازہ تالیفات
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک عہد ساز شخصیت
از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی
ایک تذکرہ
از: مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

IZHARSON PERFUMERS
Phone: 0522-2255257
اظہارسن پرفیومرس
لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ،
عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ۳
تیار کردہ
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003
E-mail: izharsonperfumers@yahoo.com

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow.
Phone: 2618636, 2258506
Mobile: 9415001207

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
menmark®
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (S)2616946, (R)2627443